بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ یا حیّ یا قیّوم

اللّٰھم صلّ وسلّم وبارک علیٰ سیدنا ومولانا وحبیبنا محمدٍ النبیّ الاُمّیّ

وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ وعترتہٖ بعدد کلّ معلومٍ لک وبعدد خلقک ورضیٰ نفسک

وزنۃ عرشک ومداد کلماتک استغفر اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الحیّ القیّوم واتوب الیہ

یا حیّ یا قیّوم

# تذکرۂ حسینؓ

# شہزادۂ کونین علیہ السلام

مؤلفہ

صاحبزادی انیس اختر سلمہا اللہ

بنت

حضرت محمد برکت علی لودھیانوی قدس سرہ العزیز

المقام لنجاف الصحاف المقبول المصطفین ○ کیمپ دار الاحسان سمندری روڈ فیصل آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا وَحَبِيْبِنَا مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰٓى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَعِتْرَتِهٖ بِعَدَدِ كُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّكَ وَبِعَدَدِ خَلْقِكَ وَرِضٰى نَفْسِكَ وَزِنَةَ عَرْشِكَ وَمِدَادَ كَلِمَاتِكَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ

# تذکرہ حسین شہزادہ کونین علیہ السلام

لِلتَّقْسِيْمِ وَالتَّوْزِيْعِ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

لانتفاعِ و النفع

لِجَمِيْعِ اُمَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

لمرضات اللہ تعالیٰ ورسولہ الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ آمین

مؤلفہ: صاحبزادی نفیس اختر سلمہا اللہ بنت حضرت محمد برکت علی لودھیانوی قدس سرہ العزیز

المقام النجاف الصحاف المقبول المصطفین ایمپ دار الاحسان سمندری روڈ فیصل آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مَاشَاءَ اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَعِتْرَتِہٖ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔ یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ۔

# تذکرۂ حسین شہزادۂ کونین علیہ السلام

انتخاب از

مقالات حکمت جلد اول تا ۳۰ سی۔ام

و ماہنامہ دارالاحسان ۱۹۷۱ء تا ۱۹۸۳ء

ترتیب و تزئین

صاحبزادی انیس اختر سلمہا اللہ بنت حضرت محمد برکت علی لودھیانوی قدس سرہ العزیز


طبع ...... اول

مطبع ...... نثار آرٹ پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاہور

طابع ...... کیمپ دارالاحسان، فیصل آباد

تاریخ ...... ۱۱ رجب المرجب ۱۴۲۰ ہجری المقدس

مقامِ اشاعت

المقام النجاف الصحاف المقبول المصطفین

کیمپ دارالاحسان سمندری روڈ، فیصل آباد، پاکستان۔ فون ۶۷۹۹۰۰

# کتاب النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم

بسم الله الرحمن الرحيم ما شاء الله لا قوة الا بالله يا حي يا قيوم اللهم صل وسلم على سيدنا ومولانا وحبيبنا محمد النبي الامي وعلى آله واصحابه وعترته وبارك وسلم بعدد خلقه ورضاء
نفسه وزنة عرشه ومداد كلماته الله لا اله الا هو الحي القيوم ربي ... يا حي يا قيوم

الحمد لله الذي جعل الظلمات والنور ثم الذين كفروا بربهم يعدلون ○ هذا كتاب من محمد رسول الله صلى الله
عليه وسلم النبي الامي المكي المدني التهامي الحجازي الابطحي صاحب القضيب والناقة والتاج والكرامة صاحب شهادة
لا اله الا الله وان محمدا رسول الله الى متعرف الدار والديار والزوار والعمار الا طارقا يطرق بخير○
اما بعد فان لنا ولكم في الحق سعة فان يكن طارقا موليا او مؤذيا ان خدعنا حقا او باطلا او مؤذيا او متقحما
فاتركوا حملة القرآن وانطلقوا الى عبدة الاوثان يرسل عليكما شواظ من نار ونحاس فلا تنتصران ○ بسم الله الرحمن
الرحيم ○ باسم الله وبالله ولا غالب الا الله ولا احد مثل الله ولا شيء يشبه الله وبسم الله استفتح وعلى الله اتوكل
حامل كتابي هذا في امان الله وفي حفظه وفي كنفه وفي ستره اين ما كان وحيث ما توجه لا تقربوه ولا تفزعوه ولا
تضاروه قائما وقاعدا ونائما ولا في الاكل والشرب ولا في الليل والنهار ولا في يوم ولا في نهار ولا في بر و
لا في بحر وكلما سمعتم صوت حامل كتابي بانف لا حول ولا قوة الا بالله فادبروا عنه بلا اله الا الله محمد رسول
الله ، بالله الذي هو غالب على كل شيء وهو اعلى من كل شيء وهو على كل شيء قدير ، وبمحمد رسول الله النبي
الامي المبعوث الى الثقلين ○ اللهم احفظ حامل كتابي هذا بل من علق عليه هذه الاسماء بالاسم الذي هو مكتوب
على سرادقات العرش انه لا اله الا الله محمد رسول الله هو الغالب الذي لا يغلبه شيء ولا ينجو منه هارب ، فاعيذه
بالحي الذي لا يموت وبالعين التي لا تنام والعرش الذي لا يتحرك والكرسي الذي لا يزول وبالاسم الذي هو مكتوب في
اللوح المحفوظ وبالاسم الذي هو مكتوب في القرآن العظيم وبالاسم الذي حمل به عرش بلقيس الى سليمان ابن داود عليه
السلام قبل ان يرتد اليه طرفه وبالاسم الذي نزل به جبرائيل على النبي صلى الله عليه وسلم في يوم الاثنين وبالاسم الذي
هو مكتوب في قلب الشمس واعيذه بالاسم الذي سار به السحاب الثقال ويسبح الرعد بحمده والملائكة من خيفته و
بالاسم الذي تجلى به الرب عز وجل لموسى ابن عمران فخر موسى صعقا ، وبالاسم الذي كتب به على ورق الزيتون
والقي في النار فلم يحترق ، وبالاسم الذي مشى به الخضر عليه السلام على الماء فلم يبتل قدماه ، وبالاسم الذي
نطق به عيسى وهو ابن مريم في المهد صبيا وابرء الاكمه والابرص باذن الله واحيى الموتى باذن الله وبالاسم الذي
نجي به يوسف من الجب وبالاسم الذي نجا به ابراهيم عليه السلام من نار نمرود حين القي في النار وبالاسم الذي نجا به
يونس من بطن الحوت وبالاسم الذي فلق به البحر لموسى ابن عمران وجعل كل فرق كالطود العظيم واعيذه بتسع
آيات التي نزلت على موسى ابن عمران بطور سيناء واعيذه من كل عين ناظرة وكل اذن سامعة والسن ناطقة وايدي
باطشة وقلوب واعية في صدور خاوية وانفس كافرة ومن كل من يعمل عمل السوء ومن سوء شر التوابع والسحرة و
من في الجبال والارض والخراب والطرق وساكن الآجام وساكن الصار وساكن ضيق الظلم واعيذه من شر الشياطين
وجنودهم ومن شر كل غول وغولة وساحر وساحرة وساكن وساكنة وتابع وتابعة ومن شرهم وشر آبائهم
وامهاتهم وابنائهم وبناتهم واخوانهم وعماتهم وخالاتهم وقراباتهم ومن شر المواليد والسحرة والطيارات ومن شر
ساكن الجبال والتراب والعمران والرياض والخراب ومن شر من في البر والبحر والجبال ومن يسكن في الظلمات ومن
شر من يسكن في العيون ومن يمشي في الاسواق ويكون مع الدواب والمواشي والوحوش ويسترق السمع ومن اذا قيل
لا اله الا الله يذوب كما يذوب الرصاص والحديد على النار ومن شر ما يكون في الارحام والآجام والآطام ومن شر ما
يوسوس في صدور الناس من الجنة والناس واعيذه من الخطر والنظر والكبر هيا شراهيا مهلا الله هو اجل واعز واقدر من
الجنة والناس واعيذه من كل عين باغية واذن سامعة ومن شر الداخل والخارج ومن شر عفاريت الجن والانس ومن شر
كل ذي شر ومن شر كل غاد ورائح ومن شر ساكن الرياح من عجمي وفصيح ونائم ويقظان واعيذه من شر من تنظر اليه الابصار
وتضم اليه القلوب ومن شر ساكن الارض وساكن الزوايا ومن شر من يعم الخطيئة ويولع بها ومن شر ما تنظر اليه الابصار
واعيذه من شر ابليس وجنوده ومن شر الشياطين ○

یہ مقدس مکتوب پیرس (فرانس) کے شاہی عجائب گھر سے دستیاب ہُوا
پاکستان میں اس کی پہلی بار اشاعت کا شرف دار الاحسان کو نصیب ہُوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# حُسینٌ مِنّی وَ اَنَا مِن حُسین

الحدیث

حُسَینٌ مِنّیْ وَ اَنَا مِنْ حُسَیْن (الحدیث)

حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں

# سانحۂ کرب وبلا

قومیں پیدا ہوتی ہیں، مٹ جاتی ہیں۔ بستیاں آباد ہوتی ہیں، اجڑ جاتی ہیں۔ تہذیبیں نکھرتی ہیں، دھندلا جاتی ہیں۔ شخصیتیں پیدا ہوتی ہیں، مر جاتی ہیں۔ داستانیں مرتب ہوتی ہیں، محو ہو جاتی ہیں ..... یہ عمل ابتدائے آفرینش سے جاری ہے اور مسلسل جاری رہے گا۔ لیکن ایک داستانِ الم ہے، جو تاریخ کے صفحات میں آج بھی اسی طرح روشن اور تابندہ ہے جس طرح آج سے تیرہ سو سال پہلے تھی۔ امتدادِ زمانہ کی گردش اور انقلاباتِ روزگار کی ہزاروں گردشیں اِس داستانِ الم کو نہ مٹا سکیں اور نہ رہتی دنیا تک مٹا سکیں گی۔

کیوں؟ اس لیے کہ اِس داستانِ عظیمہ کو لکھنے والی مقدس شخصیت نے اسے اپنے خونِ جگر سے لکھا اور دشتِ کرب وبلا کے دمکتے ہوئے ذروں نے اس تحریر کو اپنے سینوں میں محفوظ کر لیا۔ تاریخِ عالم کے صفحات اِس داستانِ عظیمہ کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ اگر کسی میں حوصلہ ہے تو اس آفتاب کے سامنے اپنا دیا جلا کر تو دکھائے۔ فاطمہؑ کے لختِ جگر نے اپنے نانا کے مقدس دین کے احیاء کے لیے قربانی کا جو بے نظیر معیار قائم کیا، کوئی اس کی مثال تو ڈھونڈ کے لائے! قتیلِ جادہ حق و صداقت نے کمال صبر واستقامت سے ان آزمائشوں کو طے کیا جو اللہ رب العزت نے اپنے ابدی پیغام میں متعین کیں اور بیان فرمائیں۔

و لنبلونکم بشئی من الخوف و الجوع و نقص
من الاموال و الانفس و الثمرات و بشر الصابرین
الذین اذا اصابتہم مصیبۃ ؕ قالوا انا للہ و انا الیہ
راجعون o

اللہ تعالیٰ تمہیں آزمائشوں میں ڈالے گا۔ وہ حالتِ خوف و ہراس، بھوک اور پیاس، نقصانِ جان و مال اور ہلاکتِ اولاد و اقارب میں مبتلا کر کے تمہارے صبر و استقامت کو آزمائے گا۔ پس اللہ کی طرف سے بشارت ہے اُن لوگوں کے لیے جن کے ثبات و استقامت کا یہ حال ہے کہ جب مصائب میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو اپنے تمام معاملات یہ کہہ کر اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں

انا للہ و انا الیہ راجعون ط

اب ذرا میدانِ کربلا کی طرف آیئے اور قرآن کے آئینہ میں اِس سانحۂ عظیمہ کی تصویر ملاحظہ کیجئے۔

خوف و ہراس کا یہ عالم ہے کہ حدِّ نظر تک پھیلے ریگزاروں میں خاندانِ رسالت کا یہ مختصر سا مقدس قافلہ درندہ صفت سفاک انسانوں میں گھرا ہوا ہے۔ سورج کی شعاعیں پڑتی ہیں تو زمین کے ذرے شرارے بن جاتے ہیں۔ دشمن کے نیزوں اور بھالوں کی چمک سے آنکھیں چندھیائی جاتی ہیں۔ بے نیام تلواریں اس مقدس قافلہ پر کوندی پڑتی ہیں۔ ہر نظر سفاک اور ہر آنکھ گستاخ اور بے باک دکھائی دیتی ہے۔ شر کے اس طوفانِ بد تمیزی میں کسی ایک زبان سے بھی خیر اور مروت کی آواز

سنائی نہیں دیتی۔ رات کی تاریکی شریر لشکر کے گھوڑوں کی ہنہناہٹ سے اور بھی خوفناک بن جاتی ہے۔ سلامتی کے تمام دروازے بند ہیں، لیکن کچھ پاک سر ہیں جو ایسے ماحول میں بھی جھکے ہوئے اپنے اللہ کی تسبیح بیان کر رہے ہیں۔

بھوک اور پیاس کا یہ عالم ہے کہ فرات کے کنارے گھوڑوں اور گدھوں کے لیے آزاد اور کشادہ ہیں، لیکن دوشِ رسول ﷺ کا سوار، جوانانِ جنت کا سردار، مسافرِ کرب وبلا، مظلومِ نینوا، اپنے قبیلہ کے ساتھ پانی کے ایک ایک قطرے سے محروم ہے۔ اہلِ بیت کے خیموں سے العطش العطش کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ ننھے بچے پیاس کی شدت سے نڈھال ہوئے جا رہے ہیں۔ لیکن حکم ہے کہ حسینؑ اور اس کے اہلِ بیت تک فرات کے پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پہنچنے پائے۔

وہ دیکھو۔ عباسؓ علمدار مشکیزہ کندھوں پر ڈالے کس جرأت وپامردی سے لڑتے بِھڑتے نہر کے کنارے پہنچنے میں کامیاب ہو گئے کہ پیاسوں کا بِلکنا دیکھنا نہیں جاتا.... مشکیزہ بھر لیا ہے۔ چونکہ خود بھی پیاسے ہیں، چاہا کہ پیاس بجھالیں لیکن... یہ کیا؟ چُلّو بھر کر پھر کیوں اچھال کر پھینک دیا؟ ہاں! وفاداری اور رفاقت کی پاسداری پیاس کی شدت پر غالب آگئی ہے.... حسینؑ پیاسے ہیں، ان کے بچے پیاسے ہیں، پردہ نشین بیبیاں پیاسی ہیں، سکینہؓ پیاسی ہے، بیمار عابدؓ پیاسا ہے، زہرائے ثانی جناب زینبؓ کے لختِ جگر عونؓ اور محمدؓ پیاسے ہیں، ایسے میں عباسؓ کے حلق سے پانی کا یہ چُلّو کیسے اتر سکتا ہے؟ بھر کر اچھال دیا اور مشکیزہ سنبھال، عَلَم تھامے، خیمہ گاہِ سادات کی طرف روانہ ہو گئے۔

دشمن نے یلغار کی۔ گھمسان کا رن پڑ گیا ہے۔ وہ دیکھو عباسؓ کا دایاں بازو کٹ

کر دور جا پڑا ہے۔ لیجئے.... وہ بائیں بازو سے بھی محروم ہو گئے۔ مشکیزہ تیروں سے چھلنی ہو گیا ہے۔ منہ میں تھاما ہوا عَلَم گرا جا رہا ہے۔ اِس سے پہلے کہ حسینؑ بھائی کی مدد کو پہنچیں، صدق و صفا کا یہ پیکر حقِ رفاقت ادا کر کے اپنے خالقِ حقیقی کے پاس جا پہنچا ہے۔ خیموں سے اب بھی تسبیح و تہلیل کی صدائیں آ رہی ہیں۔

نقصانِ جان و مال اور ہلاکتِ اولاد و اقارب کی تفسیر جو نواسۂ رسولؐ نے میدانِ کربلا کے سینے پر تحریر کی، اس کی مثال کون پیش کر سکتا ہے؟ وہ دیکھو گنجِ شہیداں .... جہاں گلشنِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک پھول اور ایک ایک کلی خون میں نہائی پڑی ہے۔ علی بن حسین، عبداللہ بن حسین، قاسم بن الحسن، عبداللہ بن الحسن، ابو بکر بن الحسن، عباس بن علی، عبداللہ بن علی، عثمان بن علی، محمد بن علی، ابو بکر بن علی، جعفر بن علی گویا علیؓ کا پورا گھرانا لُٹ گیا ہے۔

زینب بنت علی کی گود بھی خزاں کی اِس چیرہ دستی سے نہیں بچی۔ اس کے دونوں کم سن لختِ جگر بھی گنجِ شہیداں میں سُرخرو پڑے ہیں۔ ادھر آلِ عقیل بھی گلگوں قبائیں اوڑھے پڑی ہے۔ جعفر بن عقیل، عبدالرحمٰن بن عقیل، عبداللہ بن عقیل، محمد بن مسلم بن عقیل، عبداللہ بن مسلم بن عقیل، محمد بن ابی سعید بن عقیل یہ وہ مقدس و محترم ہستیاں ہیں جن کی دہلیز پر فرشتے بھی بلا اجازت پر نہ مار سکتے تھے، اور آج.... کربلا کی ریت پر خون میں نہائے پڑے ہیں۔

ذرا قدم آگے بڑھایئے۔ میدانِ کارزار کا رنگ بھی قابلِ دید ہے۔ جہاں ہر طرف خونِ شہیداں سرخ پتیوں کی طرح بکھرا پڑا ہے۔ بے برگ و گیاہ صحرا اِس گل پاشی سے رشکِ چمن بنا ہوا ہے گویا جگہ جگہ لالۂ صحرائی اُمڈ پڑے ہیں۔

اے خاکِ کربلا! اپنی اِس سُرخروئی پر ناز کر کہ تُو خونِ مقدّس کی امین بنی۔ نواسۂ رسولؐ کے بہادر ساتھیوں نے تیرے سینے پر تاریخ کے انمٹ نقوش بنا ڈالے ہیں۔ حبیب بن مظاہر، حر بن یزید، بربر بن حصین، عبداللہ بن عمیر الکلبی، مسلم بن عوسجہ، زہیر بن القین، حنظلہ بن اسعد کے لاشے جرأتوں اور عظمتوں کی کہانیاں کہہ رہے ہیں۔

یہ محترم خاتون اُمِ وہب کا لاشہ بھی تو ادھر پڑا ہے، جو اپنے مقتول شوہر عبداللہ بن عمیر الکلبی کے چہرے سے گرد صاف کر رہی تھی کہ کسی شقی القلب کی تلوار نے اسے وہیں کاٹ کر دھر دیا۔

ٹھہر اے چشمِ فلک! مجھے ان شہیدوں کو ہدیۂ عقیدت اور سلامِ شوق پیش کر لینے دے۔ میرے پاؤں لڑکھڑا رہے ہیں۔ مجھ میں ابھی نہ آگے بڑھنے کی طاقت ہے اور نہ کسی دلخراش منظر کو دیکھنے کی تاب۔ تو نے اِس دھرتی پر لاکھوں قافلے لٹتے دیکھے ہوں گے۔ لاکھوں مظلوم قتل ہوتے دیکھے ہوں گے۔ شاید اسی لیے تیری آنکھیں پتھر ہو چکی ہیں کہ ان سے اشک جاری نہیں ہوتے۔ لیکن بتا تو سہی.... تو نے کسی کو یوں جرأت و پامردی سے آگے بڑھ کر موت کو یوں گلے سے لگاتے دیکھا؟ کسی نے یوں رسمِ وفا نبھائی؟ اور یوں حقِ رفاقت ادا کیا؟ کسی نے یوں بے سروسامانی میں، بھوک اور پیاس کی شدت کے باوجود ایسی جرأت کا مظاہرہ کیا؟ اِدھر گنتی کے چند نفوس ہیں، اُدھر ہزاروں کا لشکر!

اے شہیدو! میں تمہاری عظمت کو سلام کن الفاظ میں کہوں! میں تمہاری غیرت و حمیت کو کس طرح خراجِ تحسین پیش کروں؟ میرے پاس وہ الفاظ ہیں، نہ زبان کو یارا۔ تم نے اللہ کے دین اور رسولؐ اللہ کے ناموس پر جس طرح پروانہ وار اپنی

جانیں نثار کیں، اس کا اجر تمہیں اللہ کے سوا کون دے سکتا ہے اور اس کی قدر سوائے رسول اللہ ﷺ کے کون جان سکتا ہے ؟

آواز آئی۔ یہیں مت ٹھہر جا! سینے کو تھام کر قدم ذرا آگے بڑھا۔ وہ دیکھ، کچھ دُور ایک اور لاشہ پڑا ہے۔ سب سے الگ تھلگ ..... اسے پہچاننے کی کوشش کر! مگر اس کا سر تن سے کاٹ لیا گیا ہے۔ اور لاشے کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے یوں روند ڈالا گیا ہے کہ پہچان مشکل ہے۔ ہڈیاں پسلیاں ٹوٹ ٹوٹ کر خمیدہ ہو چکی ہیں۔ جسم سے لباس نوچ کر تپتی ریت پر برہنہ ڈال دیا گیا ہے۔ لیکن دیکھو .... اِس تمام تر برہنگی اور بیچارگی کے باوجود لاشے سے ایک عظمت پھوٹی پڑتی ہے۔ یہ باوقار لاشہ یقیناً کسی شہزادے کا ہے۔ سردار کا ہے۔ سنو سنو! یہ کیسی آواز ہے جو صحراؤں کی وسعتوں کو چیرتی ہوئی خلاؤں میں ابھر رہی ہے، جس نے کربلا کی فضاؤں میں ارتعاش پیدا کر دیا ہے ؟ پرندے ٹھہر گئے ہیں۔ ہوائیں ساکن ہو گئی ہیں۔ دھوپ کی رنگت زرد پڑ گئی ہے۔ غور سے سنو اور اس کے ایک ایک لفظ کو ذہن میں محفوظ کر لو کہ مستقبل کا مؤرخ ان الفاظ سے تاریخ کو کچھ نئے عنوان دے گا۔

سنو! کہنے والا کہہ رہا ہے :

لوگو! میرا حسب نسب یاد کرو۔ سوچو، میں کون ہوں۔ پھر اپنے گریبانوں میں منہ ڈالو! اور اپنے ضمیر کا محاسبہ کرو! خوب غور کرو۔ کیا تمہارے لیے میرا قتل کرنا اور میری حرمت کا رشتہ توڑنا روا ہے ؟ کیا میں تمہارے نبی ﷺ کی لڑکی کا بیٹا اور اس کے عم زاد کا بیٹا نہیں ہوں ؟ کیا سید الشہداء حضرت حمزہؓ میرے باپ کے چچا نہیں تھے ؟ کیا ذُوالجناحین جعفر طیارؓ میرے چچا نہیں ہیں ؟ کیا تم نے

جناب رسول اللہ ﷺ کا یہ مشہور قول نہیں سنا کہ آپ میرے اور میرے بھائی کے حق میں فرماتے ہیں :

"سید شباب اھل الجنۃ"

اگر میرا یہ بیان سچا ہے اور یقیناً سچا ہے کیونکہ واللہ میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ تو بتلاؤ کیا تمہیں یوں برہنہ تلواروں سے میرا استقبال کرنا چاہیے ؟ اگر تم میری بات کا یقین نہیں کرتے ، تو ہم میں ایسے لوگ موجود ہیں جن سے تم میرے قول کی تصدیق کر سکتے ہو۔ جابرؓ بن عبداللہ انصاری سے پوچھو۔ ابو سعید خُدریؓ سے پوچھو، سہلؓ بن سعد ساعدی سے پوچھو۔ زیدؓ بن ارقم سے پوچھو، انسؓ بن مالکؓ سے پوچھو۔ وہ تمہیں بتائیں گے کہ انہوں نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے یا نہیں! کیا یہ بات بھی تمہیں میرا خون بہانے سے نہیں روک سکتی؟ واللہ! اِس وقت رُوئے زمین پر بجز میرے کسی نبی کی بیٹی کا بیٹا موجود نہیں۔ میں تمہارے نبیؐ کا بلاواسطہ نواسہ ہوں۔ مجھے کس لیے ہلاک کرنا چاہتے ہو؟ کیا میں نے کسی کی جان لی ہے ؟ کسی کا خون بہایا ہے ؟ کسی کا مال چھینا ہے ؟ کہو کیا بات ہے ؟ آخر میرا قصور کیا ہے ؟

آہ! یہ تو شہزادۂ کونینؑ کی آواز ہے۔ یہ تو مظلومِ کربلا مولائے حسینؑ کا لاشہ ہے۔ وہ حسینؑ جو بنتِ رسولؐ فاطمہ ؑ بتول کا لختِ جگر ہے۔ جس کا باپ علی المرتضیٰؑ، جس کا بھائی حسنؑ مجتبےٰ اور جس کا نانا محمدؐ مصطفیٰ ہے۔ جو پیدا ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے گود میں لے کر اپنی زبانِ فیض ترجمان آپ کے منہ میں ڈال دی اور عارفِ رسالت و امامت بنا دیا۔ ہاں! وہی حسینؑ، جو کبھی رسولؐ اللہ کے دوش پر سوار، تو کبھی رسالت کی

گود میں استراحت فرمایا کرتے تھے۔ نبی کے سینے پر لیٹنے والا حسینؑ .... آہ کس بے دردی سے قتل کر دیا گیا؟ اُس کی کوئی بھی دلیل ان شقی القلب انسانوں کو اِس ظلم سے نہ روک سکی۔ آہ! وہ سرِ اقدس جو شبیہہِ مصطفیٰ ﷺ تھا، وہ رُوئے مطہر جو بوسہ گاہِ رسول ﷺ تھا، سنان بن انس کے نیزے پر بلند ہے۔ بد بخت سنان، ابن سعد کے خیمے کے باہر رقص کر رہا ہے اور دیوانہ وار پکار رہا ہے

> "میرے اونٹوں کو چاندی سونے سے لاد دو، میں نے ایک عظیم بادشاہ کو قتل کیا ہے۔ وہ بادشاہ جو اپنے ماں باپ کی طرف سے بہترین، خلق اور نسب میں سب سے بہتر تھا، اتنے بڑے شہنشاہ کو قتل کرنے کا انعام بھی اتنا ہی بڑا ہونا چاہیے۔"

اے کج رفتار آسمان! یہ سب کچھ کیا ہے؟ یہ سب کچھ کیوں ہے؟ میرے سوال کا جواب دے۔ تو نے نواسۂ رسولؐ کو یوں بے دردی سے قتل ہوتے دیکھا اور خاموش رہا۔ تو ان ظالموں پر ٹوٹ کر کیوں نہ گر پڑا؟ تیرے دامن میں پلنے والی بجلیاں کیا ہوئیں؟ کیوں نہ انہوں نے ان سفاک انسانوں کے لشکر جلا کر خاک کر ڈالے؟

اے سنگلاخ زمین! یہ تیری پیٹھ پر کیسا بھیانک کھیل کھیلا گیا اور تو ساکن رہی! تجھ سے زلزلے کیوں نہ پھوٹے؟ تو نے اپنے دامن کو جھٹک کر ان ننگِ انسانیت سفاکوں سے پاک کیوں نہ کر لیا؟ کیوں نہ تیرا سینہ شق ہوا کہ تیری پشت کا یہ بوجھ تیرے پیٹ کی گہرائیوں میں ڈوب کر ختم ہو جاتا؟

بادلو! کیا تمہارے سوتے خشک ہو گئے تھے کہ تم سے کربلا کے پیاسوں کی

پیاس کا مداوا نہ ہو سکا؟ تم نے پانی کے طوفان کیوں نہ الٹ دیے کہ بدبخت سپاہ کو بہا لے جاتے؟

ہواؤ! تمہارے وہ تُند و تیز طوفان کہاں گئے جس کی ایک جھلک تم نے جنگِ احزاب کے موقعہ پر دکھائی تھی؟ کیوں نہ اب بھی تم نے اعدائے حق کے خیموں کو تلپٹ کر دیا؟ کیوں نہ ان میں آگ لگادی؟ کیوں نہ ان کی آنکھوں کو خاک آلود کر کے بینائی سے محروم کر دیا؟ بتاؤ افلاک کے نیچے اِس سے بڑا ظلم بھی کوئی ہو سکتا تھا؟ بتاؤ تم خدائے ذوالجلال کو کیا جواب دو گے؟

لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ کہنے والو!

رسولُ اللہ کے اہلِ بیت کو یوں خاک و خون میں تڑپا کر کس کی تسکین کا سامان کر رہے ہو؟ اپنے نبی ﷺ کی بیٹیوں کو یوں بے آبرو کر کے نبی ﷺ کے کن احسانات کا بدلہ چکا رہے ہو؟ آہ! ریاضِ رسول ﷺ کے تمام پھول چن چن کر توڑ لیے اور پھر انہیں مسل مسل کر پھینک ڈالا لیکن تمہاری آنکھوں سے ایک آنسو نہ ٹپکا! تمہارے ضمیر نے تمہیں ایک بار بھی شرمسار نہ کیا! اور تم بڑھ بڑھ کر محسنِ انسانیت ﷺ کے اہلِ بیت کے خیمے لوٹتے رہے۔ بتاؤ تم رسول اللہ ﷺ کو کیا جواب دو گے؟

O

کربلا میں آہ جب تنہا کھڑے شبیرؓ تھے
جسمِ اطہر پہ مسلسل لگ رہے جب تیر تھے
حُرملہ کے تیر سے اصغرؓ نے جب توڑا تھا دَم
فاطمہؓ کے لال پہ گویا پڑا تھا کوہِ غم

کون جانے کس قدر اندوہگیں شبیرؓ تھا
حلقِ اصغرؓ سے انہوں نے جب نکالا تیر تھا
ہائے کیسا وقت تھا ابنِ علیؓ کی جان پر
صدمہ ہائے جانگسل تھے ہر قدم ہر آن پر
باغہائے شام و کوفہ سب کے سب سیراب تھے
گلشنِ زہراؓ کے لیکن پھول سب بے آب تھے
ہائے یہ گستاخیاں ابنِ علیؓ کی شان سے
ہائے یہ بے ادبیاں اسلام سے قرآن سے
ہائے یہ انکار کرنا آیتِ تطہیر کا
کربلا میں بے کفن لاشہ رہا شبیرؓ کا
بیٹے بھائی سب کے سب جام شہادت پی گئے
دیکھتے شبیرؓ تھے لیکن لبوں کو سی گئے
تھے رضا کے ساتھ راضی، غمزدہ، خاموش تھے
دیکھ کر منظر ملائک مضطرب بیہوش تھے
جب حسینؓ ابنِ علیؓ تھے اِس بلا و کرب میں
کاش ہوتا جوش پیدا سرزمینِ عرب میں
قیدیوں کا قافلہ جب برسرِ بازار تھا
نوحہ خواں تھی یہ زمیں خود آسماں خوں بار تھا

سر برہنہ بیبیاں آنکھوں سے آنسو تھے رواں
مطمئن بیٹھے گھروں میں تھے حجازی نوجواں
بے پردہ سیّد زادیاں ہر فرد بے آرام تھا
اُف تماشائی وہاں سارے کا سارا شام تھا
کاش ایسے وقت میں ہوتا کوئی مسلم جواں
سر کٹا کر روکتا ابنِ علی ؓ کا کارواں
جان دے دیتا وہ اہلِ بیت کی تطہیر پر
سر کٹاتا عابدِ ؓ بیمار کی زنجیر پر
حیف ہے تیری جوانی پہ عرب کے نوجواں
کیوں نہ کٹ کر رہ گیا جب یہ دیکھا تھا سماں
تیری غیرت سو گئی کیوں سخت حیرانی ہے یہ
غور کر، کچھ سوچ، کیا شیوہ مسلمانی ہے یہ؟
کاش ہستی کی دکاں لٹتی امامِ پاک ؓ پر
حق ہو جاتا بہت تجھ کو شاہِ لولاک ؐ پر
کیسے جائے گا قیامت میں نبی ؐ کے سامنے
مشکل کشا شیرِ خدا مولا علی ؓ کے سامنے
آہ دربارِ رسالت میں نہ جایا جائے گا
اُف ندامت سے نہ حاضر سر اٹھایا جائے گا

O

آہ اے فرزندِ رسولؐ! میں تیرا پُرسا کسے دوں؟ میں اِس ناقدری کا شکوہ کس سے کہوں؟ ہاں، خیموں کی جانب چلتا ہوں کہ وہاں زہرائے ثانی، لختِ جگرِ بتول، تیری مائی جائی بہن زینبؓ موجود ہے، اُمِّ کلثومؓ موجود ہے، رقیہؓ موجود ہے، اور پھر تیری بیٹیاں سکینہؓ اور فاطمہؓ موجود ہیں، تیرا لختِ جگر زین العابدینؒ موجود ہے۔ لیکن یہاں بھی تو ایک قیامت کا منظر ہے۔ اُدھ جلے خیمے، ٹوٹی ہوئی طنابیں، دھواں چھوڑتی ہوئی چوبیں، اَن گنت کہانیاں کہہ رہی ہیں۔ میں زینبؓ طاہرہ سے کیا خطاب کروں کہ اس کی آنکھوں کے سوتے تک خشک ہو چکے ہیں۔ چادرِ زہراؓ اس کے سر سے چھن چکی ہے۔ سکینہؓ کا سر بھی برہنہ ہے۔ لٹیں کھل کر گلے پڑی ہوئی ہیں۔ آنکھوں میں وحشت ہے۔ ہر آنے والے سے خوفزدہ ہو کر پھوپھی سے لپٹ جاتی ہیں۔ زینؒ العابدین بیماری کے باعث پہلے ہی کمزور تھے، اب بالکل نڈھال ہو چکے ہیں۔ کروٹ بدلنا بھی ان کے لیے مشکل ہو چکا ہے۔ اے زہرائے ثانی! میں تجھے بیٹوں عون اور محمد کا پُرسا دوں یا علی اکبر اور قاسم کا؟ مجھ میں یہ حوصلہ کہاں جو کہہ سکوں۔ اے حسین کی بہن! اے حسین کی بیٹی! اے حسین کے فرزند! حسین شہید ہو گئے۔ ان کا لاشہ بے گور و کفن صحرا میں پڑا ہے۔ اب تم حسینؓ کا انتظار نہ کرنا۔ وہ اب تمہارے پاس نہیں آئیں گے۔ وہ جا چکے.... ہمیشہ کے لیے، اپنے بھائی کے پاس، اپنے باپ کے پاس، اپنے نانا کے پاس۔ اٹھو گنجِ شہیداں میں سوئے ہوئے مظلوم مسافروں کو بھی یہ پیغام پہنچا دو کہ حسینؓ تمہارے تعاقب میں اس وادی میں پہنچ گئے، جہاں تم جا چکے ہو۔ ان کا شایانِ شان استقبال کرنا اور ہاں! دشتِ کربلا کے مسافرو! اب رختِ سفر باندھو اور سفر کی تیاری کرو۔ ابھی دشمن کے ترکش میں کچھ تیر باقی ہیں جو تم پر آزمانا چاہتا ہے۔ اب تمہیں

قیدیوں کی صورت اس دربار میں پیش کیا جائے گا جس کے حکم سے تمہارے خیمے جلائے گئے، تمہارے سامان لوٹے گئے، تمہارے مردوں اور بچوں کو خون میں نہلایا گیا۔ اور ہاں تمہارے سردار کو شہید کیا گیا۔ دیکھو! اِس آزمائش کو بھی خندہ پیشانی سے قبول کرلو۔ مانا کہ بے پناہ صدموں سے، بھوک اور پیاس سے، خوف اور ہراس سے، بے خوابی اور بے آرامی سے تمہارے اعضاء شل ہو چکے ہیں، تم نڈھال ہو لیکن یہ کڑا سفر تمہیں بہر حال کرنا ہے۔ کربلا سے کوفہ کا سفر۔ چلتے چلتے مظاہرِ قدرت بھی دیکھتے جانا۔ میدانِ کارزار راہ میں پڑے گا۔ اگر تمہاری نگاہیں کوئی دلخراش منظر دیکھ لیں تو حرفِ شکایت زبان پر نہ آئے۔

اے زہرائے ثانی ؑ! اس قافلے کی قیادت بھائی کے بجائے اب تمہارے سپرد ہے۔ جرأت و پامردی، استقلال و تدبر جو ورثے میں تجھے ملا ہے، اس کے حق ادا کرنے کا وقت آ پہنچا ہے۔ صبر و استقامت سے قدم بڑھاؤ۔ کیا ہُوا جو اونٹوں کی پیٹھیں ننگی ہیں، عماریاں اور محمل چھن گئے ہیں، پیدل بھی چلنا پڑے تو اُف نہ کرنا۔ لیکن.....
یہ کیا؟ زینب ؑ کدھر ہیں؟

قافلۂ حسینی کی قائد زینب ؑ .... آہ! وہ تو بھائی کی سر بریدہ لاش سے لپٹی ہوئی ہیں۔ اسے بوسے دے رہی ہیں۔ ان کے خون میں بھیگی ہوئی مٹی اٹھا اٹھا کر آنکھوں سے لگا رہی ہیں۔ چہرے پہ مَل رہی ہیں۔ حسین ؑ! میرے بھائی! میرے سردار! میری زندگی کی متاع میرے دونوں لختِ جگر عون اور محمد تھے جو تجھ پر نثار کر چکی۔ بتا اب کس چیز کو تجھ پر فدا کروں؟ اب میرے پاس تو کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ ایک جان باقی ہے، سو وہ بھی حاضر ہے۔ مجھے بھی اپنے پاس بلا لو! کہ زندگی اب تلخیوں کے سوا کچھ

نہیں رہی۔ میرے جان سے پیارے بھائی! تیری بہن پر جو صدمات پڑے ہیں، اگر تُو ہوتا کبھی برداشت نہ کرتا۔ اب کس سے کہوں اور کیسے کہوں؟

"میرے بھائی حسینؑ! تو نے مجھے صبر کی تلقین کی تھی۔ میں ضرور اس پر عمل کروں گی لیکن تیری بہن سنگدل کیسے ہو جائے؟ دشمنوں نے تیرے ساتھ اور پھر تیری لاش کے ساتھ جو سلوک کیا ہے، اسے دیکھ کر چپ نہیں رہ سکتی۔ میں تیرا یہ خون امی اور ابا حضور کے پاس لے کر جاؤں گی۔ نانا حضور کی خدمت میں پیش کروں گی"

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! تجھ پر آسمان کے فرشتوں کا درود اور سلام! یہ دیکھ تیرا حسینؑ ریگستان میں پڑا ہے۔ خاک و خون سے آلودہ ہے، تمام بدن ٹکڑے ہے۔ تیری بیٹیاں قید ہیں، تیری اولاد مقتول ہے، ہوا ان پر خاک ڈال رہی ہے۔"

اُمِّ کلثومؓ اور رقیہؓ بھی زینبؑ کے نوحوں میں شریک ہیں۔ سکینہؓ اور فاطمہؓ باپ کی روندی ہوئی لاش دیکھ کر چہرے پیٹ رہی ہیں۔ دھاڑیں مار رہی ہیں۔ بال نوچ لیے ہیں۔ گریبان پھاڑ ڈالے ہیں۔ نالہ و شیون، آہ و بکا، سسکیوں اور آہوں کے اِس طوفان میں اِس المناک داستان کا ایک باب ختم ہوتا ہے۔

اسیرانِ کرب وبلا کا یہ قافلہ اب کوفہ کی طرف رواں ہے۔ وہی کوفہ جس کے مہمان کربلا میں لٹ گئے۔ اے سرزمینِ کوفہ! تو صدق و مروت کی قاتل ہے۔ تو وفا کے نام پر ایک تہمت ہے۔ تو نے خود ہی تو حسینؑ کو بلایا تھا۔ توقع تھی، تو حسینؑ کے باپؑ اور حسینؑ کے بھائی کے قتل کی تلافی کر دے گی۔ لیکن اے بے وفا سرزمین! تیرے بیٹوں نے گھر بلائے مہمان سے یہ کیسا سلوک کیا؟ دیکھ اس کے خاندان کے بقیۃ السیف افراد، عفت مآب پردہ نشین بیبیاں برہنہ سر اور معصوم بچے بیڑیاں پہنے

تیری حدود میں داخل ہو رہے ہیں۔ خاندانِ رسالت سے تیرا یہ سلوک رہتی دنیا تک ایک ضرب المثل بن جائے گا۔ تیری اس بے وفائی پر ایک زمانہ ماتم کرے گا۔ تو بھی اپنے اس شرمناک استبداد پر جی بھر کر رو۔ کہ قیامت تک اس کے سوا تیرے مقدر میں اور رہ ہی کیا گیا ہے ؟ تو نے اُن ہستیوں کو خاک و خون میں تڑپایا ہے جو کرۂ ارض پر سب سے بہتر، افضل اور ارفع گنی جاتی تھیں۔

حسینؑ شہید ہو گئے۔ اِس شہیدِ اعظم کا سرِ اقدس ابنِ زیاد کے سامنے ایک ڈھال پر پڑا ہے۔ وہ اپنی اس بالکل عارضی اور وقتی فتح کے نشہ میں بہت بدمست ہے۔ انتہائی رعونت اور نخوت سے اٹھ کر اپنی چھڑی سے دندانِ مبارک کو چھو رہا ہے۔ اس بدبخت کو کیا معلوم کہ یہ وہی سرِ اقدس ہے جو رسولؐ اللہ کی گود میں رہا۔ یہ وہی مبارک دہن ہے جو بوسہ گاہِ رسولؐ بنا۔ اے بدبخت انسان! اگر تجھے معلوم نہیں تو اپنے پاس بیٹھے زید بن ارقمؓ سے پوچھ لے! دیکھ اس کی آنکھیں اشکبار ہیں کہ ان آنکھوں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، وہ ان ہونٹوں کو بوسا دیا کرتے تھے۔ لیکن تجھے کیا؟ تُو تو خود بدی کی ایک زندہ علامت ہے۔ بدی کو نیکی سے کیا سروکار؟ تیری اپنی تاریخ ہے جس کی ترتیب و تکمیل خود ابلیس کے ہاتھوں ہوئی۔ تو اسی کی تاریخ کا کردار ہے لیکن یاد رکھ .... تو حسینؑ کے قتل پر تو قادر ہو سکتا ہے، حسینیت کو ختم کرنا تیرے بس کی بات نہیں۔ حسینؑ کے خون میں نہائے ہوئے ریت کے ذرات ہواؤں کے دوش پر سوار ہو کر اکنافِ عالم میں بکھر چکے ہیں۔ عنقریب وہ ایسے طوفان بن کر اٹھیں گے، جس میں تو اور تجھ جیسے ہر دور میں اٹھنے والے ابنِ زیاد اور یزید... بے حیثیت تنکوں کی طرح اڑتے پھریں گے۔ تو نے حسینؑ کو محض ایک شخص سمجھ کر شہید کر ڈالا۔ لیکن یاد

رکھ! حسینؑ ایک شخصیت ہی کا نام نہیں .... حسینؑ ایک پیغام ہے .... آفاقی پیغام، جو ہر دور کے مظلوم اور مجبور انسانوں کو درسِ عمل اور ولولۂ شوق عطا کرتا رہے گا۔ حسینؑ ایک مذہب ہے جو ہمیشہ طاغوتی طاقتوں سے ٹکرانا سکھاتا رہے گا۔

حسینؑ ایک سیاست کا نام ہے جس کے نزدیک کسی قیمت پر بھی اصولوں پر سودے بازی نہیں کی جا سکے گی۔ حسینؑ ایک ملت ہے جس کی ابتدا حضرت ابراہیمؑ سے ہوئی اور کربلا کے میدان میں اپنے نکتۂ عروج کو پہنچی۔ حسینؑ صدائے انقلاب ہے جو ہر دور میں بلند ہوتی رہے گی۔

حسینؑ ایک تہذیب کا نام ہے اور حسینؑ شرافت کا ایک معیار ہے۔

اے فرشتو! سلام بھیجو اس شرفِ آدم پر، جس نے پھر سے آدم کی عظمت کا راز تمہارے سامنے پیش کیا۔

ستارو! ان گنت سلام بھیجو اس ہستی پر جس کی نیکیاں تم سے زیادہ ہیں۔

کوہسارو! سلام بھیجو اس قتیلِ صدق ووفا پر۔ جس کی استقامت تم سے بڑھ کر ہے۔

اور اے انسانو! سلام بھیجو اپنے اس محسن پر جس نے اپنے خون سے تمہارے لیے عظمت کی شاہراہوں پر چراغ جلائے۔

الصلوة و السلام علیک یا رسول الله

الصلوة و السلام علیک یا ابن رسول الله

امروز ...... ہر روز کا حاصل : تذکرۂ حسینؑ
تاریخِ عالم نے کربلا سے بہتر اور بدتر کوئی منظر نہیں دیکھا۔
مبصرینِ عالم نے متفق علیہ کربلا کے روز کو

## امروز

قرار دے کر ہر روز پہ فوقیت دی۔
شامِ غریباں سے دلسوز شام حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں کبھی نہیں دیکھی اور نہ ہی اس سے کوئی مضطر منظر کسی شہود نے پایا۔

## عاشورہ

کرب و بلا کا منظر دیکھا
دنیا کے تمام مراتب
لذت
زینت
راحت
شہرت
خاک و خون دکھائی دینے لگے۔
ایسی توبہ کی اور ایسی توبہ کی کہ رہتی دنیا تک پھر ان میں سے کسی بھی شے کو کبھی قبول کرنے کا خیال تک نہ رہا۔
اس ہولناک منظر کو دیکھ کر اپنی ان آنکھوں کو آنکھوں ہی میں سما لیا، کسی بھی

حال میں اس منظر کو پھر کبھی گم ہونے نہیں دینا۔ ہمیشہ زندہ اور قائم رکھنا ہے۔

حضرت آدم صفی اللہ علیہ السلام کی اولاد کی داستان صرف دو ہی ابواب پہ مشتمل ہے۔

کردار اور ابتلا ہی تاریخ کے سنہری اوراق۔

کردار وابتلا لازم وملزوم۔

ابتلا نے کردار کو زندگی بخشی اور مستحکم کیا۔

جس معیار کا کردار، اسی معیار کی ابتلا۔

جس معیار کا معاون، اسی معیار کا مخالف۔

کرنی اور کردار

کس کا بھی ہو، کبھی نہیں مرتا، زندہ رہتا ہے۔

احیاء العلوم کے مصداق۔

تیرے نام پر ہرنے والے کبھی نہ ہرے، ایک تاریخ بن گئے۔

ابتلا اللہ ہی کی طرف سے بندوں پہ وارد ہوا کرتی ہے،

ثابت قدم رہنا .... فضل عظیم!

کرب وبلا

مردانگی کے جواہرات کا مرقع

پر کیف و پر کیف

کرب وبلا کی صبح بجھی ہوئی تھی، شام لٹی ہوئی۔

کرب وبلا سے ہم آہنگ ہو کر زندگی نے ابدی حیات کا مژدۂ جانفزا سنایا۔

یہی ہر کرب وبلا کا خاصہ

یہی اس کا خلاصہ۔

راحت راحت ہے،ادھر سے آئی اور گئی۔ نہ کچھ لائی نہ چھوڑ گئی۔

کرب نے دنیا کے ایک بنجر ، قدیم ، غیر معروف ویرانہ کو ''معلیٰ'' سے ملقب فرما کر زیارت گاہِ قدسیاں بنادیا۔

کرب کی ایک رات راحت کی ہزار رات پہ فوقیت رکھتی ہے۔ کرب کی آہیں رحمت کو، اگرچہ لاکھ پردوں میں مستور ہو کھینچ لاتی ہیں، نزول پہ مجبور کر دیتی ہیں.... اور راحت کے پاس خراٹوں کے سوا کچھ بھی باقی نہیں ہوتا۔

فقر کا ابتدائی مقام سوز و گداز اور انتہائی کربلائی ہے۔

کرب وبلا فقر الی اللہ کی ابدی میراث ہے جو کبھی نہیں چھنتی اور یہی ان کی زندگی کے دو گوہر۔

خلفائے راشدینؓ تمام فقر کے مقام کے تاجدار اور امام تھے مگر مولائے علی کرم اللہ وجہہ اور مولائے حسین علیہ السلام کو فقر کا بلند اور ارفع مقام حاصل ہے۔ سبحان اللہ! حسینؑ نے خنجر تلے نماز ادا کی۔

طریقت ..... میرے آقا روحی فداہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا ایک ظِلّ۔

طریقت کی خلافت حضور اقدس ﷺ کے خلفائے راشدین کا ظِلّ ہوتی ہے۔ قول و فعل اور نیت و عمل میں ہمہ وقت جلوہ گر۔

قول و فعل اور نیت و عمل چاروں یکساں ہوں تو کھنکھناتی ہوئی مٹی سے معرضِ وجود میں آنے والا پُتلا بقائے دوام پالیتا ہے۔

قول کی اپنی کوئی زبان نہیں ہوتی، ارادہ و نیت سے مستحکم ہو کر عمل کی زبان سے بولا کرتا ہے۔ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل سکتا ہے۔ دریا اپنا رخ بدل سکتا ہے۔ صحرا ذرے میں سمٹ سکتا ہے مگر عمل کی زبان سے نکلا ہوا بول کبھی نہیں ٹل سکتا۔

قول و فعل اور ارادہ و نیت کی یکسانیت کا اصطلاحی نام فقر ہے اور
فقر ..... اُن صلی اللہ علیہ وسلم کا فخر۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو ملعون و مردار قرار دیا ہے۔ حضرت ابنِ عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بدن پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: "دنیا میں یوں رہو گویا تم ایک پردیسی ہو یا ایک مسافر جو کسی راستے سے گزر رہے ہو اور اپنے آپ کو قبر والوں میں شمار کرو۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے یہ بھی فرمایا کہ اے ابنِ عمرؓ! اگر تم صبح کو اٹھو تو اپنے دل سے شام کی باتیں مت کرو اور جب شام تک رہو تو اپنے دل کو صبح کی خبر مت دو۔ بیمار ہونے سے پہلے پہلے اپنی صحت میں سے کچھ لے لو اور مرنے سے پہلے پہلے اپنی زندگی سے کچھ لے لو کیونکہ اے عبداللہؓ! تمہیں نہیں معلوم کل تمہارا کیا نام ہوگا (تم زندہ رہو گے یا مردہ ہو جاؤ گے)

(ترمذی شریف جلد دوم صفحہ ۴۱، شمار ۱۹۵)

یہ ایک قول ہے
اس قول کے مطابق ارادہ و نیت و عمل و فعل کی مطابقت کا نام
کبھی خلافتِ راشدہؓ ہے کبھی اصحابِ صفہؓ
کبھی ام الفقر فاطمہ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے
کبھی شاہِ فقر علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

کبھی سلمانؓ و بوذرؓ ہے کبھی اویس قرنیؒ

غرض عمل و فعل اور ارادہ و نیت کے میدان میں مردانِ حق آتے رہے اور گفتار و کردار کی یکسانیت کا حق ادا کرتے رہے۔ ان کے نام بدلتے رہے پر کام نہ بدلا اور یہ ریت رہتی دنیا تک قائم رہے گی۔ ماشاء اللہ!

یزید کی بیعتِ خلافت سے انکار کرنے والوں کی تعداد ہزاروں نہیں لاکھوں تھی جن میں اکابر صحابہؓ

فرزندانِ صحابہؓ

جلیل القدر تابعینؒ

اور صالحینؒ موجود تھے مگر میدانِ عمل میں قول کو ارادہ و نیت و عمل سے مزین کر کے استحکام و دوام بخشنے والا ایک شہزادہ نکلا .... شہزادۂ کونینؓ۔

کائناتِ عالم نے صرف ایک شہزادے کو "کونین کا شہزادہ" تسلیم کیا جن کے فراق میں رونا میرے دل کی طہارت کا وہ وضو ہے جو کبھی نہیں ٹوٹتا۔ آنسو جب خشک ہو جاتے ہیں، جگر خون کے آنسو بہانے لگتا ہے۔

بندے بندوں سے لڑا کرتے ہیں اور مرا کرتے ہیں۔

ایسی توہین اور ایسی بے ادبی .... جسدِ اطہر کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے پرزے پرزے کرنا کبھی بھول سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ تصور ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ عشق کبھی اسے معاف نہیں کر سکتا اور نہ ہی کبھی آنکھوں سے اوجھل ہونے دیتا ہے۔

عشق جب اپنے امام کے حضور میں نیاز مندانہ خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے شامِ غریباں کے بے مثل منظر پہ حاضر ہوا، کہرام مچ گیا۔ زمین کی طنابیں ٹوٹنے لگیں ..... ہوش وحواس کھو بیٹھا۔ تھر تھرا کر پوچھنے لگا .... یہ کیا ہے ؟... ندا آئی :
"یہ کائنات کے پروردگار کے حبیب اقدس واکمل واکرم واجمل واطیب واطہر روحی فداہ ﷺ کی بیٹی کے لختِ جگر شہزادۂ کونین سیدنا امام حسین علیہ اسلام کے جسدِ اطہر کا لاشہ ہے جسے شہادت کے بعد گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندا گیا"

ایک عرض پھر کی .... یہ کس نے کیا؟ ... پھر ندا آئی .... یہ قصد کفار کا نہیں، حضور اقدس واکمل واکرم واجمل واطیب واطہر روحی فداہ ﷺ کے اُمتیوں کا ہے۔اُن کے اِس تکرار نے کہ "شہزادۂ کونینؑ کے قتل میں جلدی کرو، جمعہ کی نماز قضا نہ ہو... "عشق کوورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ یہ دیکھ کر، سن کر، عشق نے اپنا تاج اتار کر زمین پر پٹخ دیا، قبا نوچ کر تار تار کر ڈالی۔ اس پامالِ ناز نے منہ پر راکھ ملی، سر پہ خاک ڈالی، ایک دلدوز مرثیہ پڑھا اور ہمیشہ کے لیے اس منظر کو نظروں میں یوں سمیٹ لیا کہ پھر کبھی اس کو نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔

عشق نے آج تک جتنی بھی رنگتیں بدلیں، شامِ غریباں ہی کے منظر سے متاثر و متحیر ہو کر بدلیں اور ہمیشہ رنگا رنگ کی رنگتیں اس منظر کی مظہر رہیں گی جو قیامت تک پوری آب و تاب سے تذکرۂ حسینؑ کو چار چاند لگاتی اور جگمگاتی رہیں گی۔ قیامت آنے کو ہے اور عقل ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کرپائی کہ نواسۂ رسول ﷺ کے قاتل کون ہیں ؟ اور کیا ہیں ؟ .... کائنات کی تاریخ میں کسی قاتل نے بھی اپنے مقتول کے لاشے کی یوں بے حرمتی نہیں کی اور یوں بے رحمی سے نہیں روندا اور نہ ہی اس کے سر کو نیزے کی نوک پر بلند کیے کیے یوں منزلیں ماریں۔ تاریخ میں کسی سلطان نے اپنے

دشمن کے کٹے ہوئے سر کی یوں تذلیل نہیں کی کہ اس کے ہونٹوں پہ چھڑی ماری ہو! جب وہ اپنی مسند سے اٹھا، امارت کے نشے میں چُور تھا، اسے کل کی کوئی خبر نہ تھی۔ سمجھا تھا یہ امارت اب اس کے گھر کی لونڈی ہے اور اسے اب کوئی نہیں چھین سکتا۔ یہ سوچنے کے بعد نشہ اور تیز ہو گیا اور اس نے اپنی چھڑی میرے آقا اور میرے اللہ کے حبیبِ اقدس ﷺ کے محبوب ترین نواسہ کے دندانِ مبارک پر، جو بوسہ گاہِ رسول ﷺ تھے، ماری۔

عشق قریب کھڑا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا کہ اللہ نے اسے جذب بخشا ورنہ وہ کبھی بھی اس کی تاب نہ لا سکتا، ضرور بھڑک اٹھتا۔

O

سایۂ مصطفیٰؐ حسینؑ، مایۂ مرتضٰیؑ حسینؑ
حسن کی ابتدا حسینؑ عشق کی انتہا حسینؑ
باغ و بہارِ زندگی، نقش و نگارِ زندگی
آئینہ دار زندگی کشتۂ کربلا حسینؑ
فقر و غنا کا تاجدار، کشورِ دیں کا شہسوار
فخرِ شہانِ رُوزگار سرورِ بے نوا حسینؑ
شہرِ فنا سے دور تر، ملکِ بقا کا راہبر
خوف و خطر سے بے خطر موت سے آشنا حسینؑ
طُرفہ جفائیں سہہ گیا، یاد جہاں کو رہ گیا
خشک لبوں سے کہہ گیا عشق کا ماجرا حسینؑ

سر کو کٹا کے پا لیا سایۂ عرشِ کبریا
سجدہ میں جھک کے بن گیا کعبۂ اولیاء حسینؑ
فکرِ محیطِ بے کراں، رازِ حیاتِ جاوداں
عشق کا میرِ کارواں دین کا پیشوا حسینؑ

O

کرم فقر کی
فقر عشق کی
اور عشق حسن کی میراث ہے۔
ا۔م کا مظہر لفظ عٓ ہے اور ع کا مظہر عقل، علم، عمل، عشق۔
عقل نے علم کی تلاش کی
علم نے عمل کی تلاش کی
عمل نے دین کی تلاش کی
دین نے اذان کی تلاش کی
اذان نے کشش کی تلاش کی
کشش نے بیخودی کی تلاش کی
بیخودی نے عشق کی تلاش کی
عشق نے حسن کی تلاش کی
حسن نے بے نیازی کی تلاش کی
بے نیازی نے حجاب کی تلاش کی
جب بے نیازی نے حجاب کی تلاش کی تو عشق نے بے تاب ہو کر سجدے میں سر کٹا دیا۔

جب بے نیازی نے وفا کی حد دیکھی تو فوراً حجاب اٹھا دیا۔
شمشیرِ وفا جب بھی میدان میں آئی، میان سے نکلی اور چمکی۔
عرش و فرش تھرا اٹھے، لوح و قلم بکھر گئے۔
فرشتے الامان الامان پکار اٹھے
بے نیازی نے حجاب اٹھا دیے
شوق ہست و بود سے بے نیاز ہو کر بحرِ محبت کی مست لہروں میں کود پڑا۔
''محبت کی دنیا بنانے سے پہلے، جہانوں کے مالک تُو رویا تو ہو گا۔''

حسن یزداں کا روپ
عشق حسن کا ثبوت
حسن بے نیازی کی تصویر
عشق اس تصویر کی تنویر
وفا اس تنویر کی شمشیر اور
فقر اس شمشیر کی توقیر ہے

اے کائناتِ عالم کی ہر شے کے رگ و ریشہ میں رچے بسے اور سمائے ہوئے
الله نور السموت و الارض!
اگر عشق نہ ہوتا تیرے اِس حسن پہ کون مائل ہوتا؟ کسی بازار میں تیرا کوئی نہ خریدار ہوتا نہ ہی قدر دان!
عشق کے خون نے تیری داستان کو تابناک کر دیا۔
اللہ اللہ یہ اعزاز تو نے عشق ہی کو بخشا کہ تیرے سوا تیری کائنات کی کوئی شے، کوئی بھی شے، اس کی توجہ کو اپنی طرف کسی بھی انداز میں مبذول نہ کر سکی۔

رکوع میں انکسار اور سجدہ میں دیدار عشق ہی کو نصیب ہوا۔
حسن سے مراد ارادتِ ازلی کا وہ نور ہے جو کائنات کی ہر شے کے رگ و ریشہ میں رچا، بسا اور سمایا ہوا ہے۔ ماشاء اللہ!
حسنِ ازل نے ہمیشہ عشق ہی کو اپنی اداؤں کا تختہ مشق بنایا۔ مبارکً مکرمًا مشرفً۔
چاک گریباں، گلی و گلی، جیسے بھی گھسیٹا، اُف تک نہ کی۔
تیری محبت کے جلال کا استقلال عشق ہی کو عنایت ہوا۔
تیرے عشق کی داستان کا وہ سرورق جسے قیامت تک کبھی کوئی مات نہیں کر سکتا

## شامِ غریباں ہے۔

اک کبوتر لوٹ کر اُن کے لہو میں اڑ گیا۔
آگے مجھ میں لکھنے کی سکت نہیں۔
حسن کی ادا کی حد
عشق کی وفا کی حد ..... اور
ظلم کی جفا کی حد
شامِ غریباں کے منظر میں ختم ہوئی۔
قسامِ ازل بلک بلک کر رو دیا۔
اِس انداز میں پہلی بار رویا۔
قسامِ ازل ہر قسمت پہ نہیں کسی خاص الخاص ہی پہ رویا کرتا ہے
جیسے شامِ غریباں۔
شام نے شامِ غریباں کا منظر جی بھر کر دیکھا۔
شام کی شام ہوئی۔ شام پہ اندھیرا چھا گیا۔

# شہادتِ عُظمیٰ

محرم ہر سال آتا ہے۔ دل کے زخموں کو پھر سے تازہ کر جاتا ہے اور .... صدیوں سے یہ صورت قائم ہے۔ غم واندوہ کے طوفان ہیں۔ آنکھیں اشکبار ہیں۔ دل سوگوار ہیں۔ ہر رات چاند ایک نئی کہانی کہتا ہے۔ ہر صبح آفتاب ایک نئی حکایت پیش کرتا ہے .... خونچکاں کہانیاں .... دلخراش حکایتیں .... دفتروں کے دفتر بھر چکے ہیں لیکن گوشوں سے پھر نئے عنوان پھوٹ پڑتے ہیں۔ صبر وایثار کے عنوان .... وفا ومروت کے عنوان۔ عزم واستقلال کے عنوان۔ جرأت وشرافت کے عنوان۔ ایمان وایقان کے عنوان اور پھر ہر عنوان خوں آشام ہوتا ہے۔

آہ! یہ کس کا غم ہے، جو ماہتاب زرد رُو ہے۔ آفتاب لالہ گوں ہے۔ ہر کرن لرزاں ہے۔ موج موج ترساں ہے۔

آہ! یہ ستارے کیوں اداس ہیں؟ فضائیں کیوں وحشت بار ہیں؟ کیا یہ میری نظر کا دھوکا ہے؟ ذہن کا اختلال ہے؟ دل کا وسوسہ ہے؟ نہیں! یہ تو آسمان کی وسعتیں بھی اداس ہیں۔ ملائک اداس ہیں۔ جنّات اداس ہیں۔ شجر وحجر اداس ہیں یہاں تک کہ جانِ جہاں بھی اداس ہے .... ہاں! جانِ جہاںؐ! جس کی شان میں لولاک لما خلقت الافلاک آیا۔ جسے ربِ ارض وسماء نے و ما ارسلنک الا رحمة للعالمین کا تاج پہنایا ..... اس رحمتِ دوجہاں کا دل ملُول اور آنکھیں پُرنم ہیں!

آیئے دیکھیں! یہ اداسیوں، وحشتوں اور سوگواریوں کے پہرے کیوں ہیں؟ ان کے سائے افلاک تک کیوں پھیل گئے ہیں؟ ساری کائنات کو اس نے اپنی لپیٹ

میں کیوں لے لیا ہے ؟ یقیناً کوئی افتاد پڑی۔ کوئی سانحہ گذرا۔ کوئی سخت مقام آیا .... ہاں ہاں ! اِس سے بڑھ کر افتاد کیا ہو گی کہ دشتِ کرب وبلا میں ایک قافلہ لٹ گیا، جو رُوئے زمین پر سب سے مقدس قافلہ تھا۔ اِس سے بڑھ کر سانحہ کیا ہو گا کہ ایک پاکیزہ گھرانہ اجڑ گیا، جس کے دم قدم سے یہ کائنات بس رہی ہے۔ ایک خانوادہ روند ڈالا گیا جس نے روندی ہوئی مخلوق کو عزت کا مقام بخشا۔ وہ جوان تہِ تیغ کر دیے گئے جن کی شرافت کی قسم ملائک کھاتے تھے۔ وہ معصوم بچے ذبح کر دیے گئے جن کو حورانِ بہشتی لوری دیا کرتی تھیں۔ وہ عفیفہ بیبیاں بے حجاب کر دی گئیں، جن سے زمانے نے حیاپائی۔

یہ کیوں ہوا؟ یہ کیسے ہوا؟ .... بہت طویل اور المناک داستان ہے جو ورق ورق کر کے ہر سال محرم کا چاند ہمیں سناتا ہے۔ پارہ پارہ کر کے سورج کی شعاعیں زمین پر بسنے والے انسانوں تک ہر روز پہنچاتی ہیں۔ اس میں عزم وہمت کی داستانیں ہیں۔ صبر واستقلال کی داستانیں ہیں۔ مظلومی وبے بسی، سر فروشی وجاں سپاری کی کہانیاں۔ کوئی کہاں تک انہیں بیان کرے، اور کس حوصلے سے بیان کرے !

آیئے ! ذرا اس دشت کے ذروں ہی سے پوچھیں، جو صدیوں سے اس داستان کو اپنے سینوں میں چھپائے بیٹھے ہیں .... ہاں ! آج بھی سورج کی تمازت سے یہ صحرا جب تپ اٹھتا ہے، اس کے ذرے سرخ انگارہ بن جاتے ہیں۔ ان کی سرخی میں خونِ شہیدان ہے جو جھلک جھلک کر کئی اَن کہی کہانیاں بیان کر جاتے ہیں ! زہرائے ثانی زینبؑ، ام کلثومؑ، رقیہؑ، سکینہؑ اور فاطمہؑ کے ننگے پیروں کے تلوے ان ذرات نے چومے ہیں۔

علیؑ کے گھرانے کا خون اپنے سینے میں جذب کیا ہے۔ آلِ عقیلؑ کے خون کی سُرخی چاٹی ہے۔ نواسۂ رسول ﷺ کو لخت لخت ہوتے دیکھا ہے۔ اس کے بہادر ساتھیوں کو جو مہر و وفا اور عزم و ہمت کے کوہ پیکر تھے، شجاعتوں اور شرافتوں کے عنوان لکھتے دیکھا ہے ....ذرا ان ذروں سے پوچھو کیا تم نے اس سے بڑھ کر باعظمت انسان کبھی دیکھے ہیں؟ اعداء کے لشکر جب تیروں، نیزوں، بھالوں اور تلواروں سے ان پر پلے پڑتے تھے، تم نے کسی کے قدم پیچھے ہٹتے دیکھے؟

اے دشتِ کربلا کے ذرو! حسین علیہ السلام نے تم پر ایک احسان کیا تھا۔ عظیم احسان .....جب علی اصغر کے حلق میں تیر پیوست ہو گیا تھا، خون کے فوارے پھوٹ پڑے تھے تو انہوںؑ نے چُلّو میں خون بھر کر آسمان کی طرف اچھال دیا تھا۔ اگر وہ اس خون کو تم پر انڈیل دیتے تو تم جل اٹھتے۔ قیامت تک کے لیے دہکتے ہوئے انگارے بن جاتے۔ دیکھو! اس احسان کو کہیں بھول نہ جانا!

آیئے، ذرا اس دشت کی فضاؤں سے بھی کچھ پوچھیں کہ وہ بھی یہاں کی رازدار ہیں۔ ان سے پوچھیں کہ تم نے حسین علیہ السلام کو بہت قریب سے دیکھا ہے کیا ان کے وہ الفاظ تم نے محفوظ کر لیے تھے جو انہوں نے دشمن کے عزائم کو دیکھ کر اپنے ساتھیوں سے کہے تھے، کہ!

”میں نے تمہارا اخلاص دیکھ لیا ہے۔ میں اب اجازت دیتا ہوں کہ تم سب امن کی جگہ چلے جاؤ۔ رات کی تاریکی چھا چکی ہے۔ اسے غنیمت جانو، میرے اہلِ بیت کو ساتھ لے لو اور اپنی اپنی آبادیوں میں پھیل جاؤ۔ دشمن صرف میرا طلب گار ہے۔ جب وہ مجھے پا لے گا، تم میں سے کسی سے تعرض نہ کرے گا!“

لیکن وہ ساتھی، وہ عزیز، وہ جانثار بے چین ہو کر تڑپ اٹھے اور پکار اٹھے تھے کہ اے ہمارے آقا! اے ہمارے سردار! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم آپ کو دشمنوں کے نرغہ میں چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ ہم تو اپنی جان و مال اور آل و اولاد سب کچھ آپ پر قربان کر دیں گے"۔

اور اے کربلا کی دہشت زدہ فضاؤ! آپؑ کا وہ خطبہ تو تم نے ضرور محفوظ کیا ہو گا، جو انہوں نے دشمنوں کے سامنے اونٹنی پہ سوار ہو کر قرآن سامنے رکھ کر دیا تھا تاکہ اتمامِ حجت ہو جائے۔

"لوگو! میری بات سنو! جلدی نہ کرو! تاکہ میں نصیحت کا حق ادا کر دوں، جو میرے ذمہ ہے! اور تاکہ میں تمہیں اپنے یہاں آنے کی وجہ بتلا دوں! پھر اگر تم میرا عذر قبول کرو، اور میری بات کو سچا جانو، اور میرے ساتھ انصاف کرو، تو اس میں تمہاری فلاح و سعادت ہے اور پھر تمہارے لیے میرے قتال کا کوئی راستہ نہیں۔ اور اگر تم میرا راستہ قبول نہ کرو، تو تم سب مل کر مقررہ کام کرو۔ اپنے شریکوں کو بلا لو، کہ تم کو اپنے کام میں کوئی شبہ نہ رہے اور جو تمہارے جی میں آئے، میرے ساتھ کر گزرو! اور مجھے ہرگز مہلت نہ دو۔ بے شک میرا اعتمادِ کُلّی اس ذات پر ہے جس نے کتاب نازل کی، اور وہی نیکوکاروں کا حامی ہے۔"

اور اے فضاؤ! تم اس منظر کو تو یقیناً نہیں بھول سکی ہو گی جب شہزادۂ کونین کے لبوں سے یہ الفاظ ادا ہو رہے تھے، قضا و قدر کا قلم کچھ فیصلے لکھ رہا تھا۔ کسی کے مقدر میں آگ اور کسی کے لیے جنت کا پیام لکھا جا رہا تھا۔ کسی کی کمان میں تیر کھینچا جا رہا تھا کہ لشکرِ حسین علیہ السلام پر پھینکا جائے اور کوئی اپنی جان کا نذرانہ لے کر دشمن کے

لشکر سے بھاگا آرہا تھا کہ قدموں میں لوٹ کر سعادتوں سے جھولیاں بھر لے۔ اور یہ تھا حُر بن یزید!

اور اے فضاؤ! تم نے حرؓ کے یہ الفاظ بھی ضرور محفوظ کر لیے ہوں گے جو امامِ عالی مقام علیہ السلام کی طرف بڑھتے وقت اس نے اوس بن مہاجر کے جواب میں کہے، تھے کہ .... :

"بخدا، میں جنت یا دوزخ میں سے ایک کا انتخاب کر رہا ہوں، اور اللہ کی قسم! میں نے اپنے لیے جنت کا انتخاب کر لیا ہے۔ اگرچہ مجھے اس کے عوض ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے!"

اور پھر گھوڑے کو ایڑ لگا کر لشکرِ حسین علیہ السلام میں پہنچ گیا تھا۔

اور تم نے حرؓ کی وہ پرجوش تقریر بھی تو سنی ہو گی جو اس نے اہلِ کوفہ کے سامنے کی، انہیں ان کے عہد و پیمان یاد دلا کر ان کی بد عہدی پر شرم دلاتے ہوئے کہا تھا :

"اے اہلِ کوفہ! تم ہلاک اور برباد ہو جاؤ۔ کیا تم نے انہیں اس لیے بلایا تھا کہ وہ آجائیں اور تم ان کو قتل کر دو؟ تم نے انہیں کہا تھا، کہ ہم اپنی جان و مال آپ پر قربان کر دیں گے اور اب تم ہی ان کے قتل کے درپے ہو! ان کو اب اس چیز کی اجازت بھی نہیں دیتے کہ وہ اللہ کی وسیع و عریض زمین میں کہیں چلے جائیں۔ جہاں ان کو اور انکے اہلِ بیت کو امن مل سکے۔ تم نے انہیں قیدی بنا لیا ہے۔ دریائے فرات کا پانی جسے یہودی، نصرانی اور مجوسی سب پیتے ہیں، جس میں اِس علاقے کے خنزیر لوٹتے ہیں، تم نے ان پر بند کر دیا ہے۔ حسین علیہ السلام اور ان کے اہلِ بیت پیاس سے بے حال ہیں۔

تم نے محمد ﷺ کے بعد ان کی اولاد کے بارے میں شرمناک سلوک کیا ہے۔ اب بھی وقت ہے، توبہ کر لو۔ اور اپنی حرکت سے باز آؤ۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو اللہ تعالی تم کو قیامت کے روز پیاسا رکھے گا!"

اور پھر اس کے بعد لشکرِ اعداء کی طرف سے سنسناتا ہوا تیر آیا تھا .... اس کے بعد ... تیر برسے، تلواریں کوندیں، نیزے ٹکرائے تھے، ایک چھوٹی سی سپاہ، بے پناہ لشکر سے ٹکرا گئی .... بازو کٹے، سر اڑے، جسم چھدے، لاشے تڑپے .... اور حسین علیہ السلام ایک ایک کر کے شہیدوں کی لاشیں گنجِ شہیداں میں جمع کرتے رہے، یہاں تک، کہ تمام ساتھی ختم ہو گئے .... لیکن تم نے دیکھا کہ عزمِ حسینؑ ہے کہ اس کے استقلال میں کوئی فرق نہیں آیا۔

کربلا کی وسعتوں میں دمکنے والے ستارو! ذرا شامِ غریباں کا حال کچھ تم کہو کہ تمہاری آنکھوں نے وہاں کیا کچھ دیکھا۔ نبی ﷺ کے خاندان پر جو بیتی، تم سے زیادہ کون اس سے باخبر ہو سکتا ہے؟ خیموں کی سلگتی اور دھواں چھوڑتی چوبیں اور طنابیں، خیموں کے اندر مچنے والی لوٹ، حرمتِ رسول ﷺ کی طرف بڑھنے والے گستاخ ہاتھ اور شریر نگاہیں، بستر پر بیمار سجادؑ کی بے چین کروٹیں... اَن گنت کہانیاں ہیں جو تم نے دیکھی تو ہیں، کہی نہیں جاسکتیں۔ جبھی تو آج تم بھی اداس، اداس نظر آتے ہو!

عشق کا حامل .... کائنات کا ناظم .... ملت کی روحِ رواں،

جب پیشوائے دینِ حق کے حضور میں

نیاز مندانہ سلام پیش کرنے

## شامِ غریباں

کے بے مثل منظر میں بوسہ زن ہوا، پہلی بار رویا!

جو نَین ہزاروں سال سے آنسوؤں کو ترستے تھے،

جی بھر کر روئے اور اتنا روئے کہ....

## ارم کے پھول

جو ازل سے مہک رہے تھے، جو بہار و خزاں سے
بے نیاز ہمیشہ کھلے رہتے تھے، یکسر مرجھا گئے!

## آنسوؤں کا سیلاب

جو ہزاروں سال سے بند تھا ... پھوٹ پڑا!

آہ! صدیوں سے یہ دل گداز قصہ بیان کیا جارہا ہے۔ شہادتِ عظمیٰ کا فلسفہ تحریر کیا جارہا ہے لیکن یوں معلوم ہوتا ہے کہ ابھی کچھ بھی کہا یا لکھا نہیں جا سکا۔ صدیوں سے اس پر آنسو بہائے جارہے ہیں لیکن صبر و شکیبائی کا دامن ہے کہ ہاتھ نہیں آرہا۔ معلوم ہوتا ہے ابھی کل کا واقعہ ہے بلکہ اِس دور کا واقعہ ہے، جس میں ہم جی رہے ہیں۔

کربلا میں شہادت کو حسین علیہ السلام نے جو سرفرازی بخشی، وہ انسانی اقدار کے لیے احیاء کی نوید تھی۔ حسینؑ انسانیت کو ایک ابدی پیغام دے گئے، لافانی پیغام...

کہ انسانی قدروں پر جب کہیں شبخون پڑے، اسوۂ شبیری تمہارے سامنے رہے۔ راہِ حق کے مسافر مصائب و آلام سے گھبرایا نہیں کرتے۔

یزیدیت جب بھی کبھی سر اٹھائے، عزمِ حسینؓ تمہارا رہنما ہو، کہ اس شجر کی آبیاری خون ہی سے کی جاتی ہے۔

نہ یزید کا وہ ستم رہا، نہ زیاد کی وہ جفا رہی
جو رہا تو نام حسینؓ کا، جسے زندہ رکھتی ہے کربلا

O

نانا صلی اللہ علیہ وسلم ..... رحمتِ عالم
نواسہ علیہ اسلام ..... رہبرِ عالم

O

شہزادۂ کونین مولائے حسین علیہ السلام نے درس دیا کہ میرے نانا کی امت میں شمولیت کے دعویدارو! دنیا کا کوئی شغل تمہیں اللہ کے دین اسلام کی دعوت و تبلیغ سے کبھی نہ روکے۔ کوئی خوف و خطر تیری راہ نہ روک سکے۔ رہے قسمت! اللہ کی دی ہوئی جان اللہ کی راہ میں نکلے!

جو جان اللہ کے لیے قربان کی جاتی ہے، سارے جہان کی جانوں سے افضل ہوتی ہے۔

کسی پہ اپنی پیاری چیز کو قربان کر دینا وفا کی حد اور اپنی جان کو قربان کر دینا فدا کی حد ہے۔

جو جان اللہ کے لیے اللہ کی راہ میں اللہ کے کاموں میں اللہ ہی کی محبت میں

قربان کی جاتی ہے، اللہ اللہ! اللہ کے ہاں بڑی قیمت پاتی ہے۔ اللہ اپنی راہ میں قربان ہونے والوں کو حیاتِ جاوداں بخش دیتا ہے۔ ایک نے کہا کہ وہ امر ہو جاتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں، جاتے ہیں۔

و لا تقولوا لمن يقتل فی سبيل الله اموات ط بل
احياء و لكن لا تشعرون ٥

(البقرۃ:۱۵٤)

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں، انہیں یہ نہ کہو
کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں شعور نہیں۔

و لا تحسبن الذين قتلوا فی سبيل الله امواتا ط بل
احياء عند ربهم يرزقون ٥

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے تو انہیں مردہ خیال
نہ کربلکہ وہ اپنے پروردگار کے نزدیک زندہ ہیں، روزی
پہنچائے جاتے ہیں۔

حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام شہادتِ عُظمٰی سے سرفراز ہونے کے بعد زندوں کی طرح دنیا اور آخرت میں زندہ اور رزق دیے جاتے ہیں لیکن ہر کوئی اس حقیقت کو مانتا تو ہے جانتا نہیں۔

ان کی یاد قوموں کی زندگی اور ان کا کردار مشعلِ راہ ہے۔
اِس دنیا میں کردار کو بقا حاصل ہے گفتار کو نہیں۔

شہزادۂ کونین مولائے حسین علیہ السلام کا کردار دین کی پیشوائی کا انسب

معیار ہے۔

ان کی حیات جاودانی ہے۔جب تک دنیا رہے گی ان کا نام رہے گا۔ یہی زندگی کی مراد اور یہی زندگی کی اصل ہے۔

کبھی مُردوں کو بھی کسی نے یاد کیا ہے ؟ اگر وہ زندہ نہ ہوتے اُن کی یاد زندہ نہ رہتی۔

صدیاں گزرنے کے باوجود کسی بھی دل سے اُن کی یاد فراموش نہ ہوئی۔ ہر دل اُن کی یاد میں مسرور اور اُن کی محبت میں مخمور ہے، پھر کیونکر ہم اُنہیں عام مُردوں میں شمار کر سکتے ہیں ؟

وہ اسلام کی شیدائی تھے۔اسلام کو جو ناز اُن پر ہے کسی پہ بھی نہیں۔

جس نے انہیں مردہ کہا متعصب ہے اور کوئی متعصب حقیقت کو نہیں پا سکتا۔

تعصب حسد کی ایک شدید قسم ہے اور حسد نیکیوں کو ایسے جلا دیتا ہے جیسے کہ آگ لکڑی کو۔

میرے مولائے حسین شہزادۂ کونینؑ کی شہادت کا سب سے بڑا راز یہ ہے کہ اللہ نے اپنے دین کی آبیاری کے لیے اپنے حبیب ﷺ کی بیٹی کے لختِ جگرؑ کے خون کو قبول فرمایا، اور کسی کے خون کو نہیں حالانکہ اس وقت کئی ایک جلیل القدر صحابہؓ بھی موجود تھے۔ اللہ کا دین سب سے بڑھ کر غیرت مند ہے، ہر کسی کی قربانی قبول نہیں ہوا کرتی!

یا اللہ! ہم خاک نشینوں کا خون بھی تیری راہ میں بہے اور تیرے لیے نکلے ،نہ کہ بستر پر۔اور یہی ہم بیکسوں کا نذرانۂ عقیدت ہے، قبول فرما۔اگرچہ غیر معیاری ہے

پھر بھی قبول فرما۔

اللھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلک! آمین

حسنِ کارکردگی کے انعامِ الٰہی کی عنایت کا اصطلاحی نام شہادت ہے۔

شہادت میں سود و زیاں کا احساس نہیں ہوتا، توکلت علی اللہ سربکف میدان میں نکلا کرتے ہیں۔

شہید شہادت کے خمار میں مخمور ہو کر ایسا مسرور ہوتا ہے کہ اسے ماسوا کی خبر ہی نہیں رہتی۔ شہادت سے بڑھ کر کوئی موت نہیں۔ شہادت کی لذت ہر تکلیف پہ غالب ہوتی ہے۔ شہادت کے نشے کی مدہوشی میں گم ہو کر شہید کسی بھی اذیت کی تکلیف محسوس نہیں کرتے۔ شہادت سے بڑھ کر کوئی مقام نہیں۔

شہید کے معنی وہ گواہ جس کی گواہی کو کسی بھی طرح کوئی جھٹلا نہ سکے۔ نہ کسی منطق سے نہ کسی مسئلہ سے، نہ کسی حجت سے اور نہ ہی کسی دلیل سے .... اور یہ ایمان کا انتہائی بلند مقام ہے۔

کام زندگی کا حاصل ہے ہر کسی کو کام ہی کی بدولت اعزاز اور کام ہی کے عوض انعام و اکرام عطا ہوتا ہے۔

شہادت کام ہی کے انعام کا اصطلاحی نام ہے۔ انسانی زندگی کی جو جدوجہد اللہ کے ہاں مقبول ہو جاتی ہے اور اللہ جسے سب سے بہتر انعام عنایت فرمایا کرتے ہیں، وہ شہادت ہے۔

شہادت ناز کا مقام ہے .... شاہد کو بھلا کبھی گوارا ہو سکتا ہے کہ اس کے شہید کو کوئی اذیت پہنچے ؟

شہید کو شہادت کے وقت کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی، شہادت کا نشہ اذیت پہ غالب ہوتا ہے۔

شہادت نیکی کی حد ہے۔ شہادت کے بعد شہید کے زندہ رہنے کا کوئی مقصد نہیں اس لیے کہ شہادت سے بڑھ کر کوئی اور سعادت نہیں جسے کہ وہ حاصل کرے۔

شہادت جب قبولیت کا مقام حاصل کر لیتی ہے، شاھد اپنے شہید کو اپنے حضور میں حاضری کے شرف سے مشرف فرماتا ہے۔ماشاءاللہ!

شہید شہادت سے بہرہ ور ہو کر جہاں بھی اللہ چاہے، شاہد بن کر زندہ اور قائم رہتا ہے۔ کوئی موت اسے کبھی فنا نہیں کرتی۔

صبر ..... مقامِ رسالت

صبر ..... مِلکِ امامت

صبر ..... وراثتِ فقر

صبر کا امام عشق

شہادت کا امام صبر

شہادت ..... حیاتِ جاوداں

حیات جاوداں ...... ثمرۂ شہادت

و هو حی لا یموت بیده الخیر ط کا دائمی فیضانِ فیض شہادت ہے

اور شہادت ..... جملہ خیرات کا مجموعہ۔

شہادت ..... اُخروی حیات کی غماز

دائمی حیات کی مبشر اور

ابدی حیات کی امین ہوتی ہے اور

ابدی حیات .... یاحی یاقیوم ہے۔

O

میرے اللہ رب العالمین

میرے آقا روحی فداہ ﷺ رحمۃ للعالمین

میرے مولائے کریم علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

کا اسم مبارک

اکرم الاکرمین

میرے مولائے حسینؓ ابدی حیات کے امین

یا حی یا قیوم

میرے شیخ الشیوخؒ قطب الملائکہ والانس والجانؒ

قطب اللوح والقلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے پیرِ عاطفتؒ کا اسم مبارک

من ھو الا من ھو

میرے پیر ومرشد شاہِ ولایت کا اسم مبارک

علاؤ الدین صابرؒ

اور اِس رذیل وذلیل وکمین کو اسمِ اعظم

یا حی یا قیوم

ودیعت ہوا۔ یہی میرا رب یہی میرا ملجا۔ یا حی یا قیوم۔

یاحی یاقیوم کا مظہر

ابدی حیات کا مبشر

حضرت امام حسین

شہزادۂ کونین علیہ السلام۔

یاحی یاقیوم کی حقیقت کے مظہر

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

حوضِ اصفیٰ کے وارث

سیدالشہداء

زندۂ جاوید، ماشاء اللہ!

آپ ﷺ اور آپ کے لشکر ایک غار میں مقیم ہیں

شہداء آپ کے رفقا ہوتے ہیں

حوضِ کوثر آسمان پر ہے اور اس کے عین نیچے حوضِ اصفیٰ ہے اور حوضِ اصفیٰ کے ساقی سیدنا امام حسین علیہ السلام ہیں۔

اس حوض سے ایک بار پینے والے کو پھر پینے کی حاجت نہیں رہتی اور اس سے پینے والا کبھی تشنہ کام نہیں رہتا۔

شہداء حیاتِ ابدی کے امین ہوتے ہیں اور مکین۔

بندہ مر کر ہی زندگی کا پیغام سنا سکتا ہے اور موتوا قبل ان تموتوا اس پیغام کا شاہد ہوتا ہے۔

اس مقام پہ مرنے والے مرا نہیں کرتے۔ نہ ہی کوئی موت انہیں مار سکتی ہے۔ ابدی حیات کے امین ہوتے ہیں۔

مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا

"یا حی یا قیوم" کے نور کی برکت سے قبر بامراد رہتی ہے۔ موت اسے فنا نہیں کرتی، بقاباللہ بن کر شاہد و مشہود کی ترجمان ہوتی ہے۔

ماشاء الله والله اعلم بالصواب۔

ہر قسم کی موت سے مُبرّا ہو کر بقاباللہ کا شہود ہوتا ہے۔

جسے بقا حاصل ہو جاتی ہے، قیامت تک زندہ اور باقی رہتا ہے۔ اس کا حکم ربی حکم ہوتا ہے اور ہر مخلوق ارضی ہو یا سماوی بری ہو یا بحری، نوری ہو یا ناری، اس کے حکم کی تعمیل کرتی ہے۔

# حیاتِ جاوداں

مقصد کا تعین اور عمل کی نوعیت ہنگامۂ زیست میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ مقصد جس قدر ارفع ہوگا، اسی قدر عمل میں اخلاص کی ضرورت ہوگی۔ اور جس قدر عمل میں اخلاص ہوگا، منزل کی صعوبتیں اسی قدر آسان تر ہوتی جائیں گی۔ مقصد اور عمل یہی دو بنیادی نکات ہیں جس سے انسانی زندگی کی قدریں عبارت ہیں۔ مقصد کی بلندی اور اخلاصِ عمل انسان کو حیاتِ جاودانی سے سرفراز کرتے ہیں۔ موت آتی ہے لیکن خود شکست کھا کر بھاگ جاتی ہے۔ مصائب بڑھتے ہیں لیکن ٹکرا کر خود ہی پاش پاش ہو جاتے ہیں۔

اس کے برعکس مقصد اگر سطحی ہو، تو ضمیر کی خلش جو ایک زندہ قوت ہے، اخلاص عمل پیدا ہی نہیں ہونے دیتی۔ یہی وجہ ہے کہ کامیابی کی صورت بھی محض

سطحی اور عارضی ہوتی ہے۔ جسے موت کا ایک ہی جھٹکا گمنامی کے غار میں یوں دھکیل دیتا ہے کہ پھر اس کا نام لیوا بھی کوئی باقی نہیں رہتا۔ اس اجمال کی تفصیل مطلوب ہو، تو آیئے ذرا میدانِ کرب وبلا کا نظارہ کریں، جہاں لق ودق اور بے آب وگیاہ صحرا کی پشت پر کچھ کٹے پھٹے لاشے بکھرے پڑے ہیں ..... بے گور وکفن لاشے ..... جن میں کچھ بچے ہیں تو کچھ جواں سال۔ کچھ پختہ کار ہیں تو کچھ پختہ سال۔ کچھ لاشوں پر گھوڑے دوڑا کر یوں پامال کیا جا چکا ہے کہ شناخت مشکل ہے۔ کچھ سر بریدہ لاشے بھی ہیں جن سے لباس نوچ کر برہنہ ڈال دیا گیا۔ قریب ہی جلے ہوئے خیمے، کٹی ہوئی طنابیں اور اَدھ جلی چوبیں کسی بہت بڑے سانحہ کی خبر دے رہی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے، مسافر منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی اس صحرا میں لُٹ گئے ہیں۔ نہ آبادی ہے نہ سایا۔ کس بے بسی سے لُٹے ہوں گے لٹنے والے! کس بے کسی سے کٹے ہوں گے کٹنے والے! لاشوں کی عظمت کہہ رہی ہے کہ یہ کوئی معمولی قافلہ تو نہ تھا، لٹنے سے پہلے مزاحمت کے نشانات بھی واضح ہیں۔ جوان مرد مزاحمت کیا ہی کرتے ہیں اور اِس جدوجہد میں اگر موت آجائے تو بعید از قیاس نہیں، لیکن یہ مزاحمت تو کچھ اور ہی اشارہ کر رہی ہے۔ یہ لاشے جس انداز میں پڑے ہیں اس کی ترتیب کہہ رہی ہے کہ مقابلہ میں نوجوان اور بچے پہلے قتل ہو چکے ہیں۔ جبھی تو انہیں خیمہ گاہ کے قریب ترتیب سے ڈالا گیا ہے۔ صحرا میں بکھرے ہوئے لاشے جن میں ایک خاتون کا لاشہ بھی شامل ہے اسی طرح پڑے ہیں گویا انہیں سمیٹنے کی پھر کسی کو مہلت نہ مل سکی یا پھر شاید کوئی باقی نہ بچا کہ انہیں سنبھالتا۔

آیئے اِس دشتِ بلا سے ہی پوچھیں کہ تیری پُشت پہ یہ قیامت کیا گذری؟

یہ جو خونی ڈرامہ کھیلا گیا اس کی نوعیت کیا تھی؟ وہ بات کیا تھی جس کے باعث یہ بھیانک کھیل رچایا گیا۔ قاتل کون تھے اور وہ کیا چاہتے تھے؟ مقتول کون تھے؟ کہاں سے آئے تھے؟ اور اُن کے پیشِ نظر منزل کونسی تھی؟ ایسا دلدوز منظر تو شاید آج تک چشمِ فلک نے بھی نہ دیکھا ہوگا۔

وہ دیکھئے صحرا کے ہونٹ کپکپا اٹھے۔ اس کی چھاتی جذبات کی شدت سے دہکنے لگی۔ ریت کے ذرے شراروں کے روپ میں ڈھل گئے۔ اس کے چہرے کی تمازت نے فضا کو شعلہ بار بنا دیا۔ سنئے اس کے کپکپاتے ہونٹ، اس کی لرزتی آواز کس کرب سے کوئی داستان کہہ رہی ہے۔ داستانِ الم ..... گوشِ ہوش سے سنو تو اس داستانِ الم میں کتنی داستانیں بھری پڑی ہیں۔ جرأت و ہمت کی، شجاعت وبسالت کی، ایثار و مروت کی، مودّت و اخوت کی ، ارادت و عزیمت کی ، حق و صداقت کی ، شرافت و نجابت کی۔ غرضیکہ انسانی شرف کے وہ تمام جلی عنوان اِس داستان میں پنہاں ہیں جو عالمِ انسانیت کے لیے چراغِ راہ یا نشانِ منزل ہیں۔

یوں دکھائی دیتا ہے جیسے صحرا کے سینے میں ایک آتش فشاں بھرا پڑا ہے۔ ایک لاوا ہے جو اُبلنے کے لیے مچل رہا ہے۔ کیوں نہ ہو کہ اِس سانحۂ عظیمہ نے اِس دشت کے نام کو بھی بھیانک بنا دیا ہے۔ رہتی دنیا تک جب بھی کہیں مصائب و آلام کا تذکرہ ہوگا، دشتِ کربلا کے حوالے سے اس کی سنگینی کا احساس دلایا جاتا رہے گا۔

کربلا کی سسکتی فضائیں، اس کے بے برگ وبار اور اجڑے اجڑے نخل، اس کے پہلو میں بہتا ہوا فرات .... سبھی اس داستان کے امین ہیں۔ تو ہاں! تم سب کہو، یہ ماجرا کیا تھا؟

آواز آئی ..... کیا تم میں یہ سکت موجود ہے کہ اس قافلے کے لٹنے کی روداد سن سکو۔ تم میں یہ حوصلہ ہے کہ ان پاکیزہ مسافروں کے مصائب و آلام کی کسی ایک کہانی کا منظر بھی ذہن میں لا سکو ..... نہیں نہیں ... نہ ہم میں کچھ کہنے کا حوصلہ ہے نہ تم میں کچھ سننے کا یارا ... البتہ کچھ مختصر بات یوں ہے .... کہ اس دھرتی پر لٹنے والا قافلہ ان مقدس ہستیوں پر مشتمل تھا جس کی نظیر و مثیل دنیا نے دیکھی نہ سنی۔ ان کا تعلق اس خاندان سے تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کے لیے خاص طور پر منتخب فرمایا اور سر فراز کیا۔ اللہ کا وہ برگزیدہ نبیؐ تمام انبیاء کا خاتم اور امام تھا۔ وہ نبیٔ رحمت تھا جس نے عالمِ انسانیت کو تاریکیوں سے نکال کر روشن راہوں سے روشناس کرایا۔ گمراہیوں اور ذلتوں سے اٹھا کر تہذیب کی بلندیوں پر پہنچایا .... یہ قافلہ اسی نبیٔ رحمت ﷺ کے جگر گوشوں اور قربت داروں پر مشتمل تھا۔ سالارِ قافلہ اسی نبی ﷺ برحق کی لاڈلی بیٹیؓ کا لختِ جگرؓ تھا، جس بیٹی کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا.... "فاطمہؓ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ جس نے اسے دکھ پہنچایا، اس نے مجھے دکھ پہنچایا ... اور یہ سالارِ قافلہ حسینؑ اسی دخترِ رسولؐ کا جگر گوشہ تھا۔ یہ مقدس قافلہ مدینہ سے چلا۔ مکہ ٹھہرا، کوفہ کا عزم تھا کہ راستے میں گھیر کر یوں ذبح کر دیا جیسے ان سے کوئی تعلقِ خاطر ہی نہ ہو ... محسن کشی کی بدترین مثال اگر کسی نے دیکھنی ہو، تو میرے سینے پر کھیلے جانے والے اس بدترین اور ہولناک کھیل سے بڑھ کر آپ کو کہیں نہ مل سکے گی۔

تاریخِ عالم میں یہ ہوتا آیا ہے کہ اقتدار پرست اور جاہ طلب قوتیں ہمیشہ حق پرست اور حق طلب قوتوں سے برسرِ پیکار رہیں۔ ان کا وجود ہمیشہ غلبہ و اقتدار کے پرستاروں کے لیے ایک چیلنج رہا۔ اپنی جھوٹی انا اور فانی اقتدار کے تحفظ کے لیے طاغوتی

طاقتوں نے ہمیشہ نیک نفس انسانوں کو آزمائشوں میں ڈالے رکھا۔ کہیں گھر بار سے جلا وطن کیا تو کہیں مال وزر سے آزمایا۔ کہیں خوف و ہراس پیدا کیا تو کہیں اتلاف جان و مال کے مرحلوں سے گزارا۔ نیکی اور بدی کی یہ تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ خود انسان کی۔ زمین کی پشت پر اس کھیل کو ہر دور میں دہرایا جاتا رہا ہے لیکن میری پشت پر کھیلے جانے والے کھیل کا انداز یکسر مختلف اور اس قدر سنگین تھا کہ کرۂ ارض کا کوئی خطہ اس کی تاب نہیں لا سکتا تھا۔ وہ تمام آزمائشیں، وہ تمام مصائب و آلام جو پہلے زمانوں میں رائج رہیں، وہ سب کی سب اس مقدس قافلے پر آزمائی گئیں۔ وہ چاہتے تھے کہ نیکی کے یہ پیکر بدی کے سامنے سپر انداز ہو جائیں ... حق گوئی اور حق بیانی چھوڑ کر اقتدار کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں لیکن حق کے ان متوالوں نے جس جرأت و پامردی سے ان آلام و مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا، رہتی دنیا تک کوئی اس کی مثال پیش نہ کر سکے گا۔ یہ سب لاشے جو میرے سینے پر بکھرے نظر آتے ہیں، سب راہِ وفا کے شہید ہیں .... اس راہِ وفا کے، جس کو محسنِ انسانیت ﷺ نے روشن کیا تھا۔ فرات کے کنارے گواہ ہیں، کہ جب ان پر پہرے بٹھا دیے گئے تھے، تو ان جلے ہوئے خیموں میں عِفّت مآب بیبیوں اور معصوم بچوں کی پیاس کا منظر دیکھا نہیں جاتا تھا۔

اور سنو۔ مقتولوں میں وہ پاکباز بھی تھے، جو صورت اور سیرت میں اپنے بابا (ﷺ) کا نقشہ تھے لیکن سفاکی اور بے مروتی کی انتہا دیکھو کہ اسی پیمبر ﷺ کا کلمہ پڑھنے والوں نے اس کی تصویروں کو یوں پھاڑ کر دھرتی پر بکھیر دیا جیسے کہ وہ محض ایک کھلونا تھے .... آہ! یہ بے وفائی اور سفاکی کا گھناؤنا اور شرمناک منظر بھی میں اپنے سینے

میں لیے بیٹھا ہوں۔ اگر تم کچھ اپنے میں حوصلہ پاتے ہو، تو مَیں تمہیں بتاؤں کہ حسینؑ جو نبی ﷺ کے نورِ عین تھے، کس طرح نرغے میں لے کر شہید کیے گئے۔ اس کے بچوں، بھتیجوں اور بھانجوں کو کس طرح ذبح کیا گیا۔ اس کے اہلِ بیت کو کس طرح قیدی بنا کر لے جایا گیا۔ کوفہ اور دمشق کے واقعات تو ان کے در و دیوار سے پوچھو، البتہ حسینؑ کے لاشے سے لباس نوچنے، سر کاٹنے اور جسدِ اطہر کو گھوڑوں کی ٹاپوں میں روندے جانے کا منظر جب یاد آ جاتا ہے تو مَیں لرز اٹھتا ہوں۔ میرے لرزنے سے دشت و جبل کے مکین الامان والحفیظ پکارنے لگتے ہیں۔ آہ! وہ سرِ اقدس جو کبھی سرورِ کائنات ﷺ کی گود کی زینت ہوتا تھا، نیزے پر اچھالا گیا۔ نانا ﷺ کی چھاتی پر لیٹنے والا جسدِ اطہر نیزوں اور تلواروں سے چھید اگیا۔ وہ دہنِ مبارک جو کبھی بوسہ گاہِ رسول ﷺ تھا، اس کی بے حرمتی کی گئی۔ اور اس حقیقت سے بالکل آنکھیں بند کر لیں، کہ حسینؑ نبی کی لختِ جگر خاتونِ جنت فاطمۃُ الزَّہرا کا لختِ جگر بھی ہے اور نبیؐ کا نورُ العین بھی.... حسینؑ اور اس کے اہلِ بیت پر ڈھائے گئے مظالم سے نہ صرف حضرت بتولؑ بلکہ اللہ کے رسول ﷺ بھی تڑپ تڑپ گئے ہوں گے۔ نہ جانے، روزِ محشر اس مقدمے کی سماعت میں کیا کچھ ظہور میں آئے۔

آہ! اس داستانِ ظلم و بربریت کو کہاں تک بیان کروں البتہ ایک بات ضرور کہوں گا کہ

حسینؑ نے اپنے خون کے جو قطرے میرے حوالے کیے تھے، وہ میرے پاس اُن کی مقدس امانت ہے۔ یہ امانت ہر دور میں ایسے پاکباز انسانوں کو بقدرِ ظرف پہنچتی رہے گی، جو ان کے ارفع و اعلیٰ مقصد کی پاسبانی کا عزم رکھتے ہیں۔

حسینؑ نے ایک ارفع مقصد کے لیے اپنی .... اپنے مال و جان، اہل و عیال، عزیز و اقارب اور احبابِ باوفا کی قربانی پیش کر کے بدی کی قوتوں کے ایوانوں میں زلزلہ پیدا کر دیا۔ اقتدار کے محل سرنگوں ہو گئے۔

آج

حسینؑ کی ذات ایک نیکی کی علامت کی طور پر زندہ ہے اور رہتی دنیا تک زندہ رہے گی جب کہ یزید ہر دور میں بدی کی علامت کے طور پر یاد کیا جاتا رہے گا۔

اللھم صلی علی سیدنا محمد و علیٰ آل سیدنا
محمد یا سید المحسنین ! آمین! یا الٰہ العالمین !

## ہم خاک نشینوں کو

اپنے قدومِ میمنت لزُوم سے مشرف فرمانے والے

مصحف الاولیاء امامِ ربانی مقیم المقام الصحیف

سید الشہدا شہزادۂ کونین

## مولائے حسین علیہ السلام

کی خدمت میں

## دار الاحسان

لکھوکھا سلام کا نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے!

لیے پھرتی ہے بلبل چونچ میں گل
شہیدِ ناز کی تربت کہاں ہے!

الحمدللحی القیوم
فالله خیر الرازقین

ازلی غلام۔ ابو انیس محمد برکت علی لودھیانوی عفی عنہ

O

ایک صاحب نے سوال کیا کہ حسینیت اور یزیدیت کے بارے میں زیادہ سے زیادہ کیا کہہ سکتے ہو؟

جواب: حسینیت نیکی اور یزیدیت بدی ہے۔

نواسئہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سرِ اقدس اور اسیرانِ اہلبیت کو جب یزید کے دربار میں پیش کیا گیا تو دامنِ اسلام پر ایسا داغ لگا جو قیامت تک دھویا نہ جائے گا۔

دنیائے دُوں کا سب سے قیمتی سرمایہ:

شہزادۂ کونین مولائے حسینؑ ناطق قرآن کریم کا سر مبارک کس مقام پہ رکھا گیا ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب!

تیرے رب کی قسم! اگر ہم زندہ ہوتے، قافلے کو کبھی آگے نہ جانے دیتے۔

میرے آقا!

اگر تیرا یہ غلام اُس روز دنیا میں موجود ہوتا تو ہوا کے پر لگا کر کربل کے میدان میں حاضر ہوتا۔ کسی بھی قسم کی کوئی روک تیرے اس غلام کی راہ نہ روک سکتی۔

سمندروں میں کود پڑتا۔

دریاؤں کو چیر دیتا۔

پہاڑوں سے ٹکرا جاتا۔

اگر اسے کسی قلعہ میں بند کر دیا جاتا، ٹکریں مار مار کر دیواریں پھوڑ دیتا اور کربل کے میدان میں ضرور حاضر ہوتا اور قتیلِ جفا، تصویرِ وفا حضرت حُرؓ کی تقلید میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے میں کسی سے پیچھے نہ رہتا۔ حضرت طیّبہ بی بی زینبؓ کی چادر کی حفاظت میں اپنی جان قربان کر دیتا۔ یہ کبھی ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ ہم زندہ ہوتے اور پاک بیبیوں کی چادر کی طرف کوئی ناپاک ہاتھ بڑھنے کی جسارت کر سکتا۔ توبہ توبہ ! ہم کبھی ایسا کرنے نہ دیتے۔ اے میرے آقا! مجھے تیری مجھ پہ عنایات کی قسم! میں تیرے بعد کبھی اِس دنیا میں زندہ نہ رہتا!

اے اللہ کے دینِ اسلام کی
عزت و ناموس کی خاطر
اپنی جان قربان کرنے والے
شہیدو!

اِس مقام النجاف الصحاف
المقبول المصطفین کے مکینان
کی طرف سے
نیاز مندانہ سلام قبول فرماؤ۔

○

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک چہیتے صحابی تھے۔ معرکۂ کرب وبلا میں امامِ عالی مقام شہزادۂ کونین سیدنا حضرت حسینؓ پہ جو سب سے پہلا تیر مارا گیا، انہی سعدؓ کے بیٹے عمر وبن سعد نے مارا اور فخر کے ساتھ کہا :

''لوگو! گواہ رہنا ... کہ حسینؓ کی طرف سب سے پہلا تیر میں مار رہا ہوں''

یہ کیا تھا؟ یہ سب کچھ امارت کے لیے تھا ... یہ سب کچھ امارت کے لیے ہوا۔

تاریخ کی آغوش میں محیر العقول اور عبرتناک واقعات مضمر ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے لڑکے نے میرے آقا روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ شہزادۂ کونین شہیدِ کربلاؓ کے خلاف پہلا تیر برسایا۔

اے او دنیا بھر کے بد نصیب!

تیرے اس تیر نے تیرے دین، دنیا اور آخرت کو چھلنی چھلنی کر دیا۔

اِس سے زیادہ میں جانتا بھی نہیں اور لکھتا بھی نہیں۔

یہ سن کر قسّامِ ازل تاب نہ لاتے ہوئے بِلک بِلک کر رو دیا۔

امارت جب رذالت کے انتہائی مقام پر پہنچ جاتی ہے، ختم ہو جاتی ہے۔ ظلم و جارحیت جب جملہ حدود سے تجاوز کر جاتا ہے اور آگے جانے کے لیے کہیں کوئی جگہ نہیں ملتی، اپنے فاعل ہی کی طرف لوٹ آتا ہے اور اسے اپنی لپیٹ میں لے کر بھسم کر دیتا ہے، راکھ تک باقی نہیں رہنے دیتا۔

یزید جب امارت کے نشے میں چُور ہوا، رحمت سے دور ہوا اور زحمت سے مقہور ہوا۔

وہ کیا وقت ہو گا جب اللہ رب العالمین کے حبیب رحمتہ للعالمین ﷺ کے نواسۂ ذی شان امامِ عالی مقام شہزادۂ کونین حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام تادوامِ قیام رضی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کو شہادت کے بعد گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندا گیا ..... بادشاہ بادشاہوں سے اور سُورمے سُورماؤں سے ازل سے لڑتے چلے آرہے ہیں لیکن ایسی لڑائی کی مثال انسانیت کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی کہ کسی بادشاہ نے، کسی بہادر نے، ایک ننھے سے قافلہ پہ، جس میں شیر خوار بچے، عِفّت مآب صاحبزادیاں اور ضعیف بیمار ہوں، اپنی پوری قوت سے حملہ کیا ہو۔ صحرا میں مقیم قافلہ پہ یوں دھاوا بولا ہو جیسے کہ کرب وبلا کے میدان میں مولائے حسین علیہ السلام پہ۔ تاریخ میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ کسی نے کسی قافلہ کا پانی ایسے بند کیا ہو جیسے مولائے حسینؑ کے اہل وعیال پہ۔

دریائے فرات کا پانی گدھوں نے پیا، خنزیروں نے پیا لیکن حوضِ کوثر کے ساقی ﷺ کے اطہر واطیّب نواسہ کے شیر خوار معصوم بچوں کو پانی کی ایک بوند تک نہ ملی۔

یہ تیرے حبیب اقدس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے اہلبیت کے صبر اور فاجر کے ظلم اور تیری بے نیازی کی حد ہے۔

یا حی یا قیوم برحمتک استغیث

دو میں سے ایک ضرور ہرا کرتا ہے اور مرا کرتا ہے۔ ایسی جنگ، اللہ اللہ، ایک طرف تیرے حبیب رسالت مآب سید المرسلین، رحمتہ للعالمین شفیع المذنبین، خاتم النبیین ﷺ کے اہلبیت غریب الوطن بے سروسامان، صحرا میں مقیم بھوکے پیاسے

صرف ۷۳ (تہتر) نفوس اور دوسری طرف ایک لشکرِ جرار .... کیل کانٹے سے لیس..... پھر ان پہ پوری فوجی طاقت سے حملہ کر دینا .... ڈوب مرنے کا مقام ہے... مردانیت تو کجا، آدمیت کے بھی ماتھے پہ کلنک کا ٹیکہ ہے۔ یہ تاریخ کے سیاہ ترین اوراق ہیں۔ ظلم کی بدترین مثال ہے کہ شہادت کے بعد رسول اللہ ﷺ کے نواسہ کے جسدِ اطہر کو گھوڑوں کی ٹاپوں تلے روند ڈالا، کچل ڈالا .... سرِ اطہر کو نیزے کی نوک پہ بلند کیا اور میرے مولائے حسینؑ نے نیزے کی انی پہ اللہ کی کتاب کی تلاوت فرما کر شہید کی حیاتِ جاوداں کی تصدیق فرمادی۔

آہ .... کربلا ..... جہاں زبانِ حال سے شبیرؑ نے کہا ....

تشنہ لب مرتا ہوں اے ساقیٔ کوثر دیکھو !

کائنات تھرا اٹھی، موجوداتِ عالم پہ سکوت طاری ہوا، پھول کمہلا گئے، کلیاں مرجھا گئیں، کرب و بلا کا ریگستان شہدائے کربلا کے خون سے رنگین ہوا، خونی لالہ زاروں سے معطر ہوا، مولائے حسینؑ کا سرِ اطہر .... کے دربار میں طلب ہوا۔ سفاکی و ہوسناکی کے دربار میں۔ جفاکار و ستم گار اپنی جفاؤں کے تذکرے بڑھ چڑھ کر سنا رہے تھے تاکہ اس سفاک امارت کو خوش کر کے اپنی ذلیل حرکات اور بہیمیت پر اعزاز و اکرام حاصل کر سکیں۔

کوئی کہہ رہا تھا کہ میں نے اس زور سے تیر پھینکا کہ علی اصغرؑ کے شیر خوار حلق میں جا پیوست ہوا۔ کوئی علی اکبرؑ جیسے کڑیل جوان کو شہید کرنے پہ ناز کر رہا تھا تو کوئی عباسؓ جیسے شیر کے بازو کاٹنے پہ : .... اللہ اللہ! توبہ توبہ!

مَردوں کی داستان میں اِس سے شرمناک اور کوئی داستان نہیں اور نہ آئندہ

ہو گی۔ یہ امارت کی آخری جفا تھی۔ کبر کی آخری ادا تھی۔ قدرت نے ڈھیل دے دی کہ آج جو چاہے کر لے یہ تیرا آخری کرنا ہے ..... پھر اس پہ ساری عمر آہ و فغاں اور سینہ کوبی کرتے رہنا لیکن پھر تجھ سا بے بس و بے کس، رذیل و ذلیل و کمین کسی بھی زمانہ میں کبھی نہ ہو گا۔ اٹھ، جو کرنا ہے کر لے، دل کی حسرت نکال لے۔

وہ جھومتا ہوا اٹھا، کبر و نخوت سے چھڑی ہاتھ میں لے لی اور حیات الخفی الحی الدنیا مقیم المقام الصحیف خلد الصحیف فی الارض سید الشہداء حضرت امامِ عالی مقام شہزادۂ کونین حضرت امام حسین سعد اللہ رضی اللہ تعالی عنہ سبطِ رسول ﷺ عالی مراتب، مرفوع الشہداء، مشفوع الشہداء، شاہِ کربلا، سید الشہداء کے دندانِ مبارک پہ ماری۔ عرش کانپا، فرش کانپا۔ امارت نے اس آخری جفا پہ ہمیشہ کے لیے اپنا خاتمہ کیا .... اور امامت نے حیاتِ جاوداں پائی۔

قسّامِ ازل تقدیرِ الٰہی پہ رویا۔

سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام رضی اللہ عنہ شہیدِ مقتل ہیں، مظلومِ کربلا ہو کر شہیدِ حیات بھی ہیں۔ شہیدِ حیات اپنے اصلی وجود سے محجوبِ نظر تو ہو جاتا ہے لیکن معدومِ نظر نہیں ہو سکتا۔

## محرم کا عاشورہ

عاشورے کا عرفہ برکات کے نزول کا مبشر ہوتا ہے۔ (۹) نو محرم مسلمان قوم کا با جلالت و اکرام دن ہوتا ہے۔ یہ دن موعود الشہودہ جناب اظہارِ عالی حضرت امام المومنین، مظلومِ کربلا، نواسۂ رسول محمد بن النبی الامی رسول النبی المصطفی محمد رسول اللہ ﷺ حضرت امام حسین شہید المقتول قدس اللہ سرہ علیہ الرحمتہ کی رحلتِ موعودہ

کا عرفہ کا دن ہے۔

اللہ کو اپنے اُس بندے پہ ناز ہوتا ہے اور صرف اُس بندے پہ جسے عطا و قضا میں کوئی تمیز نہ ہو۔ ہر حال میں جو بھی وارد ہو راضی رہے، کوئی اعتراض نہ کرے اور یہ عمل اُمّ العمل ہے۔

عبدیت یہ ہے کہ عبد معبود کی قضا پہ راضی رہے، اعتراض نہ کرے۔ جب اعتراض کیا، رضا کا خاتمہ ہوا۔

جو مخلوق پہ راضی ہوا خالق اس پہ راضی ہوا اور یہ رضا کا ادنیٰ مقام ہے۔

جو قضا پہ راضی ہوا اس پہ قاضی راضی ہوا یہ رضا کا میانہ پہلو ہے۔

جو رضا پہ راضی ہوا .... اس پہ اللہ راضی ہوا، صاحبِ مقامِ رضا ہوا۔

یہ رضا کا اعلیٰ مقام ہے۔

O

حسینؓ .... گھوڑے کی زِین پر وفا کا غازی
حسینؓ .... تلواروں کے سائے تلے عشق کا نمازی
حسینؓ .... نیزے کی نوک پر قرآن کا قاری
حسینؓ .... کا روندا ہوا لاشہ بھی رضا پہ راضی
(ماشاءاللہ)

صغراؓ کی بیماری میں
زینبؓ کی عماری میں
اکبرؓ کی لاش میں
اصغرؓ کی پیاس میں
سکینہؓ کے اصرار میں
عباسؓ کے پیار میں

مسلم ؓ کی آواز میں
حسین ؓ کی نماز میں
اُمِّ ہانیؓ کی مہمانی میں
نیزے کی اَنی میں
علی ؓ کی فقیری میں
اور عابد ؓ کی اسیری میں
اللہ ہی کی رضا جلوہ گر ہے۔

عارف موت و حیات کا رازدان ہے۔ اسے نہ جینے کی تمنا ہوتی ہے نہ ہی مرنے کا خوف۔ وہ خوب جانتا ہے کہ جتنے دن اس نے دنیا میں جینا ہے، ضرور جینا ہے اور جس دن یہاں سے جانا ہے، ضرور چلے جانا ہے۔ ان میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا۔ مر کر جینے والا کبھی نہیں مرا کرتا، کسی نہ کسی روپ میں ہمیشہ زندہ رہتا ہے اور یہ زندگی ابدی ہوتی ہے اور آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ۔

حیات کا ذوق اور موت کا خوف انسانی زندگی کے دو محور ہیں اور ہر کوئی انہی کے گرد گھوما کرتا ہے۔

ہستی جب کردار کی مستی سے مست ہوئی، الست ہوئی اور ورلست ہوئی، حیات و ممات کے ذوق و خوف سے مستغنی و بے نیاز ہوئی اور یہ انسانی زندگی کا بلند ترین مقام ہے۔ ماشاء اللہ!

ہستی نے جب نیستی کا لبادہ اوڑھا... ہر شے سے دستبردار ہوئی، مستغنی ہوئی، بے نیاز ہوئی اور جب بے نیاز ہوئی، کشمکشِ دہر سے آزاد ہوئی۔ مستی آئی اور ابدی

ہستی لائی۔

اے ہم نشیں! اے میری جان!
تجھے کون سمجھائے، کیا سمجھائے اور کیسے سمجھائے
تیرے کردار کی مستی ملت کی امتیازی شان اور
یہی مستی ملتِ مصطفائی کی جان ہے۔
اللہ کی رحمت کردار پہ نازل ہوتی ہے، گفتار پہ نہیں۔
فعل، فاعل اور مفعول کی کرنی کا اصطلاحی نام کردار ہے۔
کرنی کا کردار، ابدالآباد زندۂ جاوید۔

نمونہ جب بھی کسی نے دیا اور جس بھی چیز کا دیا جان پر کھیل کر دیا۔ پھر وہ رہتی دنیا تک زندہ و قائم رہا۔

زندوں کو زندگی کا پیغام مر کر ہی سنایا جا سکتا ہے، زندگی میں نہیں۔

انسانی کردار کے بعض نمونے اس قدر اللہ کو پسند ہوتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ انہیں اپنے بندوں کی راہنمائی کے لیے اپنے نیک بندوں کی زبانوں پہ ہمیشہ زندہ رکھتے ہیں۔

تاریخ کی تمام داستانیں کردار ہی کی داستانیں ہیں۔ گفتار کی کوئی داستان کسی تاریخ میں نہیں ملتی۔ تُو صاحبِ کردار بن نہ کہ صاحبِ گفتار۔

کردار کے سامنے گفتار کوئی وقعت نہیں رکھتی۔
علم گفتار اور عمل کردار ہے۔

گفتار جب کردار کا زرہ بکتر پہن کر میدان میں آتی ہے۔ تلوار کو مات کر دیتی

ہے۔ ماشاء اللہ!

کردار کی مستی میں عزم بالجزم کا پہلا نمبر ہے۔

جس کردار میں عزم جلوہ گر نہیں ہوتا، کسی منزل پہ نہیں پہنچتا، کوئی رنگ نہیں لاتا اور نہ ہی کوئی گل کھلاتا ہے۔

مرد جب بھی کسی کام کا عزم کر لیتے ہیں، کمر کس لیتے ہیں۔ جب تک وہ کام پورا نہ کر لیں کبھی کمر نہیں کھولتے۔

حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کی اولاد کی ساری داستان عزم بالجزم ہی کی داستان ہے۔

مَردوں کے "عزم" اور

اللہ کے "کُن" میں کوئی دوری نہیں، بالکل نہیں!

عزم اور کُن میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ عزم اور کُن دونوں میں اللہ کا امر جلوہ گر ہوتا ہے۔

ازل تا ابد بندے کے عزم کا اللہ کے کُن نے استقبال کیا۔ ہر عزم کا استقبال کیا، گرم جوشی سے کیا اور کسی بھی میدان میں عزم کے عَلَم کو کبھی گرنے نہ دیا۔ عزم کی تحسین کی، داد دی اور پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔

عزم ...... موت و حیات سے بے نیاز

فنا و بقا کا ہمراز

مے کدے کی بہار

رِندوں کا خمار اور

میدانِ وفا کا شہسوار ہے۔

عزم کا تذکرہ اللہ کو بے حد پسند

ہر تذکرہ سے فقید المثال

تذکروں کی دنیا میں سرِ فہرست اور ہر تذکرے کو مات کر دیتا ہے۔

عزم جب حق و باطل کے میدان میں مظہر العجائب کا نمونہ بن کر اپنے کرتب کا مظاہرہ کرنے لگتا ہے، کائنات کو متحیر کر دیتا ہے۔ مخالفین تک داد دینے لگتے ہیں اور کروبیاں انگشت بدنداں۔

عزم کا تذکرہ اللہ کا تذکرہ ہے اور اللہ اسے کبھی معدوم ہونے نہیں دیتا۔ حیاتِ جاوداں سے مشرف فرما کر زندوں کی طرح زندگی سے سرفراز فرمایا کرتا ہے۔ ہزارہا سال گزر چکے، گزریں ..... عزم کا تذکرہ ہِن و عَن جوں کا توں۔

میرے آقا روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائلِ نبوت میں سے کسی ایک کو کماحقہٗ اپنانا طریقت میں خصلت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اے جانِ من!

اے او سونے والے نوجوان مسلم!

تجھے کون بتائے اور کیا بتائے اور کیسے سمجھائے کہ

اللہ رب العالمین کا سب سے بڑا حکم

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی سنت

اور نبوت و رسالت کی سب سے بڑی خصلت ''استقامت'' ہے۔

اور استقامت یہ ہے کہ زندگی کے میدان میں جو قدم جہاں پہ رکھ دیا، پھر کسی بھی حال میں پیچھے نہ ہٹے اگرچہ ٹوٹے ٹوٹے ہو جائے۔

ہر تذکرہ خصلت کا تذکرہ ہے، شخصیت کا نہیں اور شخصیت کے پسِ پردہ بھی خصلت کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہوتی۔

تذکرۂ مرداں .... تذکرۂ یزداں کی جان۔

خرقہ واحرام ایک ہی سند کے دونام ہیں۔

ایک بار پہن کر پھر کبھی نہیں اتارا جاتا، کبھی نہیں اتارا جاتا اگرچہ دوزخ میں ہو۔ زندگی کے میدان میں جدوجہد امکانی اور ہار جیت غیر امکانی ہے یعنی ہار جیت انسانی بس میں نہیں، اللہ کے بس میں ہے۔ مرد میدان میں ہار سکتے ہیں، میدان سے بھاگا نہیں کرتے۔

مَردوں کا میدان میں کٹ جانا مَردوں کی اصل جیت ہے۔

مَرد جس عَلَم کو ایک بار بلند کر دیتے ہیں پھر جب تک جان میں جان باقی رہتی ہے، اسے کبھی گرنے نہیں دیتے۔

حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کی اولاد کی ساری داستان اِس حقیقت کی شاہد ہے کہ ہر مرد نے ہر میدان میں اپنے خون سے استقامت کو سینچا۔ و ما علینا الا البلاغ۔

استقامت نبوت کی سب سے بڑی خصلت ہے۔ ہر کسی کو کیسے دی جا سکتی ہے؟

استقامت کے ساتھ حال اور حال کے ساتھ مقام ہوتا ہے۔ جس میدان میں استقامت اتر آتی ہے، فتح ہو جاتی ہے۔

اگر تیری دنیا میں تیرے اِن رندوں کے کردار کے عزم کا عُلَم بلند نہ ہوتا تو

تیرے کسی بازار میں کوئی رونق نہ ہوتی۔ سنسان ہوتے، ویران ہوتے۔ نہ گل ہوتے نہ بلبل!

O

عشق والے کربل کو مدینے کی تصویر کہتے ہیں
کربل والے رِندوں کو اپنی جاگیر کہتے ہیں
لٹا دی جس نے اپنی دین و دنیا غمِ شبیرؑ کی خاطر
فقر وغنا والے اس کو عشق کی توقیر کہتے ہیں
جس کا ہو راہبر حسینؑ اور مذہب عشقِ رسول ﷺ
اہلِ طریقت اس کو قرآن کی تفسیر کہتے ہیں

O

اگر تیری دنیا میں ساغر و مینا کا جزو اور رند نہ ہوتے کیا کیف ہوتا؟

جمود طاری ہوتا!

اسباق درسِ توحید :

تیری قدرت کی حکمت کو خندہ پیشانی سے تسلیم کرنا اور اف تک نہ کرنا عین عبادت ہے، اور عبادت کسے کہتے ہیں؟

تیری قدرت کی حکمت کے مناظر رندوں ہی نے دیکھے۔ رند ہی تیرے میخانے کے پیمانے۔

ساقی ہو، جام ہو، پینے والے ہوں پھر کیوں نہ بٹے؟

بہت سوں کو پلاتے دیکھا، کسی کو محروم نہ کیا۔
یہی ساقی کا وہ کرم ہے جو قیامت تک رندوں کو ورثہ میں ملا اور بٹتا رہے گا۔
رند جب تیری مے کے نشے میں مخمور ہو کر نعرہ زن ہوتے
'مست مستی میں آئے ہوئے ہیں'
مے کدے کے در کھل جاتے اور دنیا دنگ رہ جاتی۔
یہ تھی تیری مے کی مہک! دنیا مہک اٹھتی!

یہ رند ہی تو تیرے میکدے کی روحِ رواں ہیں اور یہ میکدہ رندوں ہی کے لیے ہے۔ اگر یہ نہ ہوتے نہ ساقی ہوتا نہ صبوحی اور نہ ہی میکدے میں رونق۔ تیرے میکدے پہ رندوں کا یہ جھمگٹ سدا برقرار رہے، تیرا کاسہ لبریز رہے اور صراحی اسی طرح بھری رہے اور تُو، اے میرے ساقی! اے او لالہ فام ساقی! اسی طرح اور ہمیشہ پلاتا رہے۔ تیری بھی خیر ہو، تیرے میکدے کی بھی۔ اور رِندوں کی یہ بھیڑ اسی طرح قائم و دائم رہے۔ یا حی یا قیوم، آمین!

جنت میں رنگارنگ کے مشروبات ہوں گے، جو سُرور و خمار تیرے میکدے کی مے میں ہے، کسی اور مشروب میں نہیں۔ تیرا یہ میکدہ قیامت تک قائم و دائم رہے۔ یا حی یا قیوم آمین۔

یہ رند یہ تیرے پُراسرار بندے تیرے میکدے کی رونق ہیں۔ اگر تیری دنیا میں یہ رند نہ ہوتے تو تیری دنیا میں کیا کیف ہوتا؟ کسی بھی تاریخ میں کوئی چاشنی نہ ہوتی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کی ساری داستان کو اِن رندوں ہی نے رنگین کیا ہوا ہے۔

رندپاک ہوتے ہیں اور بے باک ہوتے ہیں۔

ایک نے پوچھا .... کہ اِن تحریرات میں اکثر و بیشتر مَے کا تذکرہ ہوتا ہے، میخانے کا ذکر ہوتا ہے، رندوں کی مدح سرائی ہوتی ہے، ساقی کی نظرِ عنایت اور جُود و سخا کی باتیں ہوتی ہیں.... یہ مَے، میخانہ، رند اور ساقی سے کیا مراد ہے؟ وضاحت کریں۔

اے جانِ من! مَے سے مراد وہ سیال نہیں جو چند بوٹیوں سے کشید کیا جاتا ہے اور جسے پی کر انسان بہکی بہکی باتیں کرنے لگتا ہے۔ ذہن بدبو دار اور دماغ ماؤف ہو جاتا ہے۔ وہ مَے تو اُمّ الخبائث ہے! اور ہم، اے جانِ من! ایسی مَے کی تعریف میں کیونکر رطب اللسان ہو سکتے ہیں؟

اِس مَے سے میری مراد وہ مَے ہے جو میرے آقا، میرے مولا، میرے دلبر، میرے جانی امامِ عالی مقام شہزادۂ کونین سیدنا حضرت امام حسین علیہ السلام نے نوش فرمائی جس کے نشے میں مخمور ہو کر وہ ہر خوف و خطر سے بے خطر ہو کر موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرائے۔ اس کے نشے میں مدہوش ہو کر اپنی ہر شے حق پہ قربان کر دی اور مبصرِ عالم نے انا للہ و انا الیہ راجعون کے علاوہ کوئی کلمہ ان سے نہ سنا، مطلق نہ سنا۔

اے جانِ من! یہ مَے کوئی معمولی چیز ہے؟ اللہ اللہ، جو اس نشے میں سرشار ہوا ہر شے سے متنفر و بیزار ہوا۔ کسی کی بھی مطلق پرواہ نہ رہی۔ جاہ و حشمت کو پاؤں تلے لتاڑ دیا۔ تاج و تخت اور امارت و ثروت کو ایک ہی ٹھوکر سے اڑا دیا۔ ہر مقام پہ اور ہر حال میں ساقی کی رضا کو مقدم سمجھا۔ سولی پہ چڑھنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ کھال اتروائی مگر پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ جسم آرے سے چیرا گیا مگر اف تک نہ کی۔

مقتل میں اِس شان سے آیا کہ دنیا عش عش کر اٹھی۔ زمین و آسمان کی طنابیں ٹوٹنے لگیں۔ عرشی عرش پہ اور فرشی فرش پہ انگشت بد نداں رہ گئے۔ تحسین و آفرین پہ مجبور ہو گئے۔ ہوش نے سمجھایا کہاں جاتے ہو؟ کیوں موت کے منہ میں اترتے ہو؟ سوچو! سنبھلو! باز آجاؤ! مگر خمار نے کسی کی بھی ایک نہ چلنے دی اور جذب و مستی کے سامنے عقل و خرد کی چل ہی نہیں سکتی۔ اِس مے کے پہلے ہی گھونٹ نے رند کو وہ ذوق و شوق بخشا کہ وہ طوفان اور چٹانوں سے ٹکرا گیا۔ پُر خطر میدان میں کود پڑا۔ ذرا نہ ہچکچایا، کوئی رکاوٹ اس کے آگے بند نہ باندھ سکی۔ کوئی مشکل اس کے عزم پہ غالب نہ آسکی، کوئی خوف اسے ڈگمگا نہ سکا۔ وہ کٹ گیا، جھک نہ سکا۔ سبحان اللہ آگے ہی بڑھتا گیا۔ کسی کے بھی روکے سے رک نہ سکا۔

وفا رندوں کی رسمِ قدیم ہے۔ وہ اپنی رسم سے کبھی باز نہیں آتے اور یہ مقام فرزانگی نہیں، دیوانگی ہے۔

اے جانِ من! ہوش مند، مدہوشی کے کام بھلا کر سکتے ہیں؟ کبھی نہیں۔ یہ رتبہ اللہ نے اپنے رندوں کو ہی بخشا ہوا ہے، ہر کہ ومہ کو نہیں۔

اگر ہر کسی کو اس مقام پہ گزر ہوتا، اس کی کیا قدر و قیمت ہوتی؟ اگر یہ ہر کسی کے بس کی بات ہوتی، اس میں کیا کیف و سُرور ہوتا؟

ہر کوئی اسے پینے کی طاقت نہیں رکھتا اور پی کر برداشت کرنا بھی کسی کسی کا کام ہے۔

اِسی مے کے نشے میں شرسار ہو کر مے خوار جب میدان میں اترا... ابلیسی لشکر پہ لرزہ طاری ہو گیا۔ اس کی پہلی ہی جھلک سے سارا نشہ ہرن ہو گیا۔ گویا جان ہی

نکل گئی۔ جم کر لڑنا اس بیچارے کے بس میں کہاں؟ بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔ قدم اکھڑ گئے۔ پرخچے اڑ گئے۔ تنویرِ حق نے ظلمت کو یکسر کافور کر دیا... حق غالب ہوا۔ اور باطل مغلوب و مقہور۔

مئے توحید کا جام نوش، حق کے سوا کوئی آواز بالکل نہیں سنتا... کسی کو بھی نہیں پہچانتا۔ کسی کو نہیں مانتا... کوئی باطل اس کی نگاہ میں کبھی نہیں سما سکتا۔ دل میں کبھی جگہ نہیں پا سکتا اگرچہ کتنا نظر نواز اور دلکش ہو... باطل لاکھ بھیس بدلے اس کی آنکھوں میں کبھی دھول نہیں جھونک سکتا۔ کیسے ہی رنگ میں آئے، اس کی تیز نگاہی اسے ہزار پردوں میں پہچان لیتی ہے، اس کی حقیقت کو جان لیتی ہے۔ لاکھ سر پٹخے... بہر دپ کی کوئی دوڑ دھوپ اسے دھوکا نہیں دے سکتی... !اس لیے کہ...

اتقوا فراسة المومن انه ینظر بنور الله

اور نورِ حق پہ کوئی نار کبھی غالب نہیں آ سکتی۔

زندگی کے ہر میدان میں خیر و شر دونوں محوِ عمل رہتے ہیں۔ شر خیر کی ضد ہے۔ خیر کا مدعا خیرات و حسنات اور شر کا شرارت و فتنات ہے۔

خیر حق اور شر باطل ہے۔

حق غالب اور باطل مغلوب ہے۔

**حق و باطل** اپنا کوئی وجود نہیں رکھتے۔ دونوں قوتیں انسانی کردار میں نمودار ہو کر ازل سے دست و گریباں۔ ابد تک رہیں گی۔

حق و باطل کی تلواریں بارہا آپس میں ٹکرائیں۔ ہمیشہ حق غالب رہا۔

نہ پہاڑ اس کی راہ روک سکے نہ طوفان۔

انسانی تاریخ کا ایک ایک ورق
پہاڑوں کی ایک ایک چوٹی
دریاؤں کی ایک ایک لہر
ریت کا ایک ایک ذرہ گواہ ہے کہ حق کے متوالے سر بکف کفن بر دوش میدانِ کارزار میں نکلے اور نکلتے ہی رہے۔

ان کی ہیبت سے کفر و باطل کے ایوانوں میں لرزہ طاری ہو جاتا۔ بڑے بڑے شہ زور حق کا رعب و جلال دیکھ کر تھرا اٹھتے۔

حق نے طرح طرح سے اور ہر طرح سے اپنے نام لیواؤں کو آزمایا
کبھی آرے سے چِروا کر
کبھی شکمِ ماہی میں محبوس کر کے
کبھی بُھٹ جھنکا کر
کبھی جسم میں کیڑے ڈلوا کر
کبھی مصر کے بازار میں بکا کر
کبھی جیل خانے بھجوا کر
کبھی بیکسی میں آزما کر، کبھی تختِ شاہی پہ بٹھا کر
کبھی حرا میں رُلا کر، کبھی ثور میں چھپا کر
کبھی اُحد میں دانت تڑوا کر، کبھی عرش پہ بلا کر
کبھی نانا صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں پہ بٹھا کر
کبھی کربلا میں نیزے پہ چڑھا کر

کبھی بازو کٹوا کر، کبھی کھال کھنچوا کر
کبھی سرِ دار لٹکا کر، کبھی سرِ راہ لٹوا کر

مگر ہر بار حق نے لہو کی ہر بوند شہادت گہۂ الفت میں نچوڑ دی۔ منزلِ حق کے راہی نے اپنا رستہ بڑی شان سے طے کیا .... نہایت ہی شان سے۔

## حق

کبھی موسیٰ .... کبھی ابراہیمؑ کبھی یحییٰ .... کبھی زکریاؑ
کبھی حسینؓ .... کبھی حرؓ کبھی عباسؓ .... کبھی خبیبؓ

## باطل

کبھی فرعون .... کبھی نمرود کبھی شداد .... کبھی بخت نصر
کبھی عمر و سعد .... کبھی یزید

اس کا نام کچھ بھی ہو، آج تک حق کے آگے نہ ٹھہرا، نہ قیامت تک ٹھہر سکے گا۔

یا حی یا قیوم

حق جب حق کی حمایت میں میدان میں اترا،
وکیل نے وکالت کی حد کر دی۔

O

لیجئے ..... آج جب امامِ عالی مقامؓ اپنے ابوؓ کی تلوار تھامے، میدانِ کربلا میں ... حق و باطل کی رزمگاہ میں .... پورے جنگی لباس میں ملبوس ہو کر اور ہر شے کو خیرباد کہہ کر، عرش و فرش میں حق آزمائی کا پورا حق ادا کرنے میدان میں نکلے ... کہرام مچ گیا۔

قلم اِس سے زیادہ تحریر کرنے سے قاصر ہوئی،
خود ساقیٔ کوثر صلی اللہ علیہ وسلم انگشت بدنداں۔
حق جب بھی حقیقی روپ میں جلوہ گر ہوا،
تنہا باطل سے ٹکرایا،
کسی کثرت کو خاطر میں نہ لایا
جمیعت سے ہرگز نہ گھبرایا
زر و جواہر کو ایک ہی ٹھوکر سے ٹھکرایا
موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرایا
اور ... خالقِ کون و مکاں نے اسے ابدی حیات کا مُژدۂ جانفزا سنایا۔ ماشاء اللہ

جہاں اور جب حق کی حمایت کی شہادت ضروری ہو جاتی ہے تو حق اپنے کسی بندے کو اپنی حمایت کی شہادت کے لیے منتخب فرما کر عزم و استقلال سے لیس کر کے میدان میں لے آتا ہے۔ یہ میدان حق و باطل کی رزم گاہ بن جاتا ہے۔ اس منظر کو دیکھنے کے لیے عرشی عرش پہ اور فرشی فرش پہ صف آرا ہوتے ہیں۔ شہادت اپنی تاریخ کے اس نئے باب پہ کوئی حرف آنے نہیں دیتی، پاک و صاف رکھتی ہے۔ ماشاء اللہ! اس چمک دمک کو ذرہ بھر کم نہیں ہونے دیتی!

شہید نے اپنے شاہد کی شہادت دے کر حق کی حمایت کی پوری حمایت کی۔ عبدیت کے مقام کا حق ادا کر دیا ماشاء اللہ! جس دھوم سے وہ رخصت ہوتا ہے کوئی دوسرا نہیں ہوتا .... اور یہ عنایتِ الٰہیہ کی حد ہے!

اللھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلک امین
شہدا ابدی حیات کے امین ہوتے ہیں۔ جہاں چاہتے ہیں، جاتے ہیں۔

# معرکۂ حق و باطل

حق اور باطل کی آویزش ازل سے ہے اور ابد تک جاری رہے گی۔ اگرچہ اس کھیل میں ہر دور میں چہرے تبدیل ہوتے رہے ہیں لیکن مقصدیت میں کہیں فرق نظر نہیں آتا... وہی نظائر و عبائر، وہی درسِ عبرت و حریت، وہی پیغامِ وفا و وِغا، وہی تمثیلِ جرأت و عزیمت، وہی عظمتِ کردار و اخلاص..... جو روزِ ازل سے اِس معرکۂ حق و باطل میں تاریخ کے عنوان تراشتی رہی ..... آج بھی قائم ہے اور رہتی دنیا تک قائم رہے گی۔ لیکن اِس تمام تر تاریخی سفر میں جو قدر مشترک نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ ... باطل کے پاس سیم و زر تھا، تاج و تخت تھا، اقتدار و اختیار تھا، فوج و سپاہ تھی، وسائلِ دنیا پر اس کا قبضہ تھا جس نے بالعموم اس کے دماغ میں یوں فتور پیدا کیا کہ وہ اپنی بے مایہ ہستی کو بھول کر "انا ربکم الاعلیٰ" کا راگ الاپنے لگا۔

دوسری طرف .... حق جب بھی آیا، بے سروسامانی کے عالم میں آیا۔ اس کے پاس سیم و زر کی بجائے فقر و فاقہ تھا۔ تاج و تخت کی بجائے گلیم اور بوریا تھا۔ اقتدار و اختیار کی بجائے عجز و انکسار تھا۔ فوج و سپاہ کے مقابل یکہ و تنہا تھا۔

البتہ اس کے پاس جو سرمایہ تھا، وہ کجکلاہوں سے بھی فزوں تر۔ اس کی نگاہوں میں مادی وسائل ذلیل اور فانی وسائل تھے۔ اس کی پیشانی پر نورِ عبودیت تھا۔ اس کے سینے میں نورِ ایمان تھا۔ اس کے قلب میں خوفِ خدا تھا۔ اس کی نگاہوں میں جلالِ کبریا تھا۔ اس کے کردار میں تقدسِ ملائکہ تھا۔ اس کی گفتار میں علم و حکمت تھی ...

اس کا لباس تقویٰ و حیا ....

اس کا علم نور و ضیاء.....

اس کا سرمایہ فقر و غناء.....

اس کا عزم تقدیرِ الٰہ .....

اس کا اسوہ... اسوۂ حسنہ... اور

اس کا وظیفہ سبحان ربی الاعلی تھا!

زیست کے یہ دونوں کردار ہر دور میں اپنا اپنا فرض انجام دیتے نظر آتے ہیں، کبھی ابراہیمؑ اور نمرود کی صورت میں تو کبھی موسیٰؑ اور فرعون کے روپ میں.... کہیں مکہ اور وطائف کی سنگلاخ وادیوں میں تو کہیں کربلا کے تپتے ریگزاروں میں۔ ہر دور میں باطل نے چاہا، کہ حق کی آواز کو دبا دیا جائے۔ حدِ نگاہ تک نظروں کو جھلسا دینے والی خوفناک آگ میں حق کو جھونک ڈالا لیکن سوائے ندامت کے اسے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ آگ گلزار بن گئی اور حق کی آواز کانوں سے گزر کر سینوں میں اتر گئی۔ ملتِ ابراہیمیؑ قیامت تک کے لیے پائندہ ہو گئی۔

فرعون نے چاہا .... حق کو نیل کی متلاطم لہروں میں دفن کر دیا جائے لیکن نیل ضربِ کلیمی کی تاب نہ لا سکا، اور راستہ چھوڑ دیا۔ البتہ فرعون اور اس کی سپاہ کو ضرور اس نے اپنے دامن میں سمیٹ لیا۔

مکہ کے ستم رانوں نے چاہا .... کہ فاران کی چوٹی سے اٹھنے والی حق و صداقت کی آواز ان کی جھوٹی اناؤں اور ان کے جھوٹے خداؤں کے لیے چیلنج نہ بن سکے۔ ان کے زرخیز دماغوں نے اس آوازِ حق کو دبانے کے لیے نت نئے ستم ایجاد کیے۔

گلیوں اور بازاروں میں تضحیک و تذلیل

شعبِ ابی طالب میں محصوری

ہجرتِ مدینہ

غزوۂ بدر و اُحد اور احزاب و حنین

یہ سب کیا تھا؟ .... یہ سب اسی سلسلہ کی کڑیاں تھیں! حق و باطل کی جو آویزش روزِ ازل سے جاری ہے، یہ اسی داستان کا ایک حصہ تھیں۔

اب ذرا اور آگے بڑھئے ..... دشتِ کرب و بلا کے ذروں پر خون سے لکھی ہوئی تحریروں کو غور سے پڑھئے .... یہ نقوش آج بھی زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ .... حق و باطل کے معرکوں میں آج تک تاریخ نے جو عنوان تراشے ہیں، اُن سب کا خلاصہ تمہیں اِس دشتِ بے آب و گیاہ میں مل جائے گا ... ریت کے ان ذروں پر تمہیں اللہ کے اس فرمان کی عملی تفسیر مل جائے گی جو قوموں کی زندگی کا سرمایہ تصور کی جاسکتی ہے۔

و لنبلونکم بشی ء من الخوف و الجوع و نقص من
الاموال و الانفس و الثمرات

کا عملی نمونہ دیکھنے کے لیے گاہے گاہے اپنے ذہنوں میں حضرت عفیفہ بتول جگر گوشۂ رسولؐ کے فرزندِ عالی مقام کی اس داستانِ الم انگیز اور ولولہ خیز کا تصور کر لینا، جو اس نے دھرتی پر اپنے مقدس خون سے لکھی۔

آنکھیں بند کر کے ذرا اس رزم گاہ کا تصور کر لینا، جہاں ہر طرف خوف و ہراس کے پہرے تھے .... صحرا کے سناٹوں میں محصور و مجبور بچے، بوڑھے، عورتیں اور بچیاں سبھی تھے۔ ان کے خیموں کے گرد موت اپنے خوفناک بال بکھیرے تاریکیوں

کے جال بُن رہی تھی۔ ہر متنفس غیر یقینی حالات میں سانسیں لے رہا تھا۔ اقتدار و اختیار کی تمام سنگینیاں ان کے گرد گھیر اڈالے کھڑی تھیں۔

انسانی شرف کی علامت نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، جگر گوشۂ بتولؑ حسینؓ ابن علیؓ اور ان کا خاندان اعداء میں گھرا ہوا تھا۔

ایک طرف سپاہِ شام کی خوں آشام تلواریں لہرا رہی تھیں تو دوسری طرف امامِ عالی مقامؑ اور ان کے چند جانثار ساتھی تھے۔ رات کے سناٹے میں ایک طرف گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز سے فضا اور بھی خوفناک ہوئی جاتی تھی، تو دوسری طرف خیموں میں اللہ کی تسبیح و تحمید کا غلغلہ تھا .... ایک طرف قہقہے تھے، دوسری طرف پیشانیاں اللہ کے حضور سجدہ ریز سبحان ربی الاعلی کے ورد میں مصروف تھیں۔ ایک طرف لشکرِ اعداء اپنی قوت پر نازاں تھا تو دوسری طرف اللہ کی عظمت بیان کی جا رہی تھی،

اَللّٰهُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِیَدِکَ الْخَیْرُ ط اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ O

ایک طرف جبر تھا، دوسری طرف صبر

ایک طرف ظلم و جفا، دوسری طرف حلم اور رضا

ایک طرف مادی وسائل کا مظاہرہ تھا، تو دوسری طرف ارفع خصائل کی نمود..... اللہ اللہ! دنیا کی نگاہوں نے ایسا معرکہ نہ کبھی دیکھا، اور نہ اس کی مثیل و نظیر تاریخِ عالم کبھی پیش کر سکے گی.... بھوک تھی، پیاس تھی، خوف تھا، جانوں کا اتلاف

تھا۔ آپ کے ساتھی ایک ایک کر کے آپ پر نثار ہو چکے تھے۔ خیموں کے ساتھ خاندانِ اہلبیت کے تمام لڑکے بالے اور جوان خون میں نہائے پڑے تھے۔ یہ سب کچھ حسینؑ کی نگاہوں کے سامنے تھا لیکن آج اگر حسین اس معرکہ میں باطل کے لیے ایک چیلنج نہ بنتے، تو رہتی دنیا تک حق و باطل کی تمیز اٹھ جاتی۔ اور پھر حسینؑ سے بڑھ کر اور کون اس ذمہ داری کو قبول کر سکتا تھا۔ انہوں نے پوری جرأت اور جوانمردی سے اِس ذمہ داری کو نباہا۔ اپنا سب کچھ اپنے ہاتھوں سے کربلا میں لٹا دیا۔ اپنے جوان اور ہم شبیہہِ رسول ﷺ بیٹے علی اکبرؓ کی نعش کو اپنی آنکھوں کے سامنے تپتی ریت پر تڑپتے دیکھا۔ اپنی آغوش میں مسکراتے ہوئے علی اصغرؓ کو دم توڑتے برداشت کیا۔ اپنے بھائی کی امانت قاسمؑ جانبار کو اپنی زبان سے میدانِ جنگ میں کود جانے کی اجازت دی اور پھر اس کے لاشے کو سمیٹ کر لائے۔ اپنی بہن کو ... زینبؓ جیسی عظیم اور باکردار ماں جائی بہن کو اپنی مرضی سے جگر کے ٹکڑوں کا داغ برداشت کرتے دیکھا۔ عباسؓ جیسے بھائی کی مفارقت کی پرواہ نہ کی۔ اپنے بیمار بیٹے زین العابدین، اپنی نازوں پلی بیٹی سکینہ، اپنی محبوب بیوی، ماں جائی بہن اور خاندان کے بقیۃُ السیف افراد کو دشتِ کرب و بلا میں بے کس و بے سہارا چھوڑ کر اپنے آپؑ کو راہِ حق میں قربان کر دیا۔

آپؑ جانتے تھے کہ اپنے فرض کو پورا کر رہے ہیں، اپنے نانا ﷺ کی امت کے لیے تلاشِ حق کی منزل میں نشانِ راہ متعین کر رہے ہیں، ان کا یہی ایثار، ان کی یہی جان سپردگی، ان کی یہی قربانی جادۂ حق کے رہرووں کے لیے مینارۂ نور، نشانِ منزل ہے۔

حسینؑ جانتے تھے کہ لا اللہ کی بنیاد پر ہی الا اللہ کا محل تعمیر ہو سکتا ہے۔ انہوں نے اپنی تمام عزیز ترین متاعِ زیست کو لا اللہ کی تیغ کے نیچے رکھ دیا۔ مال لٹادیا۔

اولاد کو قربان کرڈالا۔ ناموس کو اللہ کے توکل پہ چھوڑ کر اپنی جانِ عزیز کو بھی تہ ِ تیغ رکھ دیا تاکہ .... الا الله کی راہیں روشن ہو جائیں۔ جبر و اختیار، حرص و ہوس، طلبِ جاہ و حشمت، حُبِ دنیا، اِن سب بتوں کو لا الہ کی تیغِ بے نیام سے کاٹ کر دھر دیا تاکہ الا اللہ کی منزل تک پہنچنے کے لیے کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔ جبھی تو خواجۂ اجمیرؒ نے فرمایا:

شاہ است حسینؑ ، بادشاہ است حسینؑ
دیں است حسینؑ دیں پناہ است حسینؑ
سر داد نہ داد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

گو حسینؓ کو اِس معرکہ میں بظاہر شکست ہوئی، لیکن کیا واقعی وہ یہ جنگ ہار گئے ؟ .... کیاواقعی باطل اپنے عزائم میں کامیاب ہو گیا؟

نہیں نہیں .... حسینؓ ہار کر بھی بازی جیت گئے جب کہ یزید جیت کر بھی ہار گیا۔ حسینؓ کی "شکست" نے زندگی کے شرف کو عزت اور پائندگی بخش دی، جب کہ یزید کی قوت اور بالا دستی ہمیشہ کے لیے ذلت و رسوائی کی علامت ٹھہری، آج کونسی زبان ہے، جس نے یزید کی موت پر کبھی تاسف کے دو کلماتِ خیر بھی کہے ہوں، جب کہ حسینؑ کا تذکرہ ہر زبان پر جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ آج نمرود اور فرعون کے قصے صرف عبرت کے لیے دہرائے جاتے ہیں، جب کہ ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے اذکار سے دلوں کو منور کیا جاتا ہے۔ آج تک نہ کوئی فرعون پر رویا، نہ نمرود پر، نہ یزید پر، جب کہ حسینؓ پر کیے جانے والے گریہ اور غمِ حسین میں

بہائے جانے والے آنسوؤں کو اگر یکجا کر لیا جائے تو ایک قیامت برپا ہو جائے، طوفانِ نوح امڈ آئے۔ آج زندہ ہے تو حسینؑ کا نام .... آج پائندہ ہے تو حسینؑ کا پیغام ..... اور یہ نام اور پیغام رہتی دنیا تک مینارۂ نور کی صورت جلوہ گر رہے گا۔ ماشاء اللہ!

عزم جب بھی نکلا،
اللہ ہی کی حمایت میں نکلا، تن تنہا نکلا،
بے سر و سامان نکلا،
حسبنا الله کو مان کر نکلا،
نعم الوکیل کو جان کر نکلا۔
اور اللہ نے بھی عزم کی حمایت کی،
پوری حمایت کی،
حمایت کی حد کر دی۔ ماشاء اللہ!
عزم اللہ کی قوت ہے
اللہ کی قوت کے سامنے ہر قوت ہیچ ہے۔
عزم اللہ کی عزت ہے اور
اللہ اسے کسی بھی حال میں کبھی گرنے نہیں دیتا۔
عزم اللہ کی قدرت ہے،
تقدیر بن کر عازم پہ چھا جاتا ہے۔

عزم و استقامت حیات الدنیا کے دو گوہر ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ جب بھی کسی سے کوئی کام لینا چاہتے ہیں، اسے عزم عطا فرما کر استقامت بخشتے ہیں ورنہ نہ کوئی

بندہ اپنے آپ کسی عزم پہ قدرت رکھتا ہے نہ ہی استقامت پر۔

عزم و استقامت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جتنا بلند عزم اتنی ہی قوی استقامت۔ عزم کے ساتھ اگر استقامت نہ ہو تو کسی بھی میدان میں کبھی جیت نہیں سکتا۔

عزم قلبوت، استقامت روحِ رواں۔ نظامِ قدرت عزم واستقامت ہی سے رواں دواں۔ یہی تاریخ اور یہی آدمیت وانسانیت وبشریت کی جدو جہد کی داستان ہے جو قیامت تک کے لیے زندۂ جاوید ہے۔ کسی بھی زمانے میں کبھی نہیں مٹتی ماشاءاللہ!

عزم واستقامت کی بے مثل مثال جو کربلا کے میدان میں پیش ہوئی، اس کی مثال دنیا کی کسی بھی تاریخ میں نہیں ملتی ماشاءاللہ!

دریائے فرات کے کنارے عزم کے دونوں بازو کٹ گئے، استقامت پانی کی مَشک کو منہ میں پکڑے جارہی ہے اللہ اللہ! اُدھر تپتی ریت پر عزم کا سر تن سے جدا ہے اور تن زخموں سے چُور زمین پہ تڑپ رہا ہے، سر نیزے کی اُنی پہ بلند ہے، استقامت قرآن کریم کی تلاوت کر رہی ہے۔ یہ وہ حد ہے جسے کسی ماں کے لال نے کبھی مات نہ کیا اور نہ رہتی دنیا تک کبھی مات کر سکے گا۔

O

شہسوارِ کربلا کی شہسواری کو سلام
نیزے پر قرآن پڑھنے والے قاری کو سلام

O

# حسینؓ

بشر تو کیا فرشتوں سے نہ ایسی بندگی ہو گی
حسینؓ ابنِ علیؓ آئیں گے دنیا دیکھتی ہو گی
ہمارے خون کے بدلے میں امت بخش دے یارب!
خدا سے حشر میں یہ التجا شبیرؓ کی ہو گی

O

عزم واستقامت کا تذکرہ بزمِ کونین کی تاریخ کا زریں باب ہے اور اسی سے بزمِ ہستی میں کیف ہے۔

بڑے بڑے نامی گرامی شہ زور اِس اکھاڑے میں اترے مگر عزم واستقامت کے معیار پہ پورے نہ اترے۔ اس راہ کی پر پیچ وادیوں میں گھبرا کر یوں بھاگ نکلے کہ آج تک نام ونشان نہ ملا۔

دنیا میں دنیا میلہ دیکھنے جاتی ہے۔ عزم واستقامت کا میدان آسمان والوں کے دیکھنے کا میلہ ہے، کرُّوبین کے دیکھنے کا میلہ۔

آسمان والوں نے کیا کچھ نہیں دیکھا۔
خلیل اللہؑ کو آتشِ نمرود میں پھینکتے دیکھا
ذبیح اللہؑ کے حلقوم پہ باپ کو چھری چلاتے دیکھا
زکریاؑ کو آرے سے چرتے دیکھا
ایوبؑ کو آلام میں مبتلا دیکھا

یونسؑ کو شکم ماہی میں محبوس دیکھا
یوسفؑ کو بازارِ مصر میں نیلام ہوتے دیکھا
اور جو کچھ کربلا کے میدان میں دیکھا،
وہ کبھی کسی نے کسی میدان میں نہ دیکھا۔
شہزادۂ کونینؑ کا سرِ اقدس بالائے سنان دیکھا،
تاریخ مات کر دی!
اب بتلا کوئی کیا کچھ پیش کرتا جائے!

شاہ شمسؒ کی کھال ادھیڑنا اور منصورؒ کو سولی پہ کھینچنا عزم واستقلال ہی کے مناظر کی داستانیں ہیں۔

شہید جب شہادت کے میدان میں اپنی جان کی بازی کے لیے آتا ہے، عرشی عرش اور فرشی فرش پہ اس کی جان کی بازی کے کرتب دیکھنے صف آرا ہوتے ہیں۔

فقیر جب شامِ غریباں کے حضور غلامانہ خراجِ تحسین پیش کرنے حاضر ہوا، آپے سے باہر ہو گیا۔ حیرت سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس نے ایسا منظر پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس کے سامنے ریت کے ذروں پہ حسن و عشق اور وفا و جفا کی داستان کا انوکھا باب خون سے لکھا ہوا تھا۔

.... سہمی ہوئی مقدس جانیں .... بوستانِ رسول ﷺ کے کمہلائے ہوئے پھول .... گنجِ شہیداں ..... کٹے ہوئے اعضاء ..... جلے ہوئے خیمے ..... دھواں چھوڑتی طنابیں .... لٹا ہوا خانوادۂ رسول ﷺ ..... بے کسی کے عالم میں جگر بندِ بتول .... خون سے تر زمین پہ شہزادۂ کون و مکاں، خاک و خون میں نہایا ہوا

عشق ... دشتِ غربت میں سر بریدہ پیشوائے دین، ساقیٔ کوثر ﷺ کا تشنہ لب نواسا .... سبطِ پیمبر ﷺ کا گھوڑوں سے روندا ہوا وجودِ اطہر۔

ہر طرف ایک گھمبیر اداسی، ایک وحشت خیز خاموشی، ایک الم انگیز کرب... یہ دردناک منظر اس سے نہ دیکھا گیا۔ وہ خون کے آنسو رویا۔ ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ بِسمل کی طرح لوٹا اور مذبُوح کی طرح تڑپا۔ پھر یکایک اس نے امارت کی عمارت کی اینٹ اینٹ کر دی۔ لذت کا جام پھوڑ دیا۔ زینت کا عمامہ زمین پر دے مارا۔ راحت کا ترانہ بند کر دیا، عشرت کا رباب توڑ دیا۔ شہرت کی قبا تار تار کر دی اور شامِ غریباں کے محبوبوں کی خاکِ پا سر میں ڈالی، ندامت کی قبا اوڑھی، ملامت کی گُدڑی پہنی، صبر کا کاسہ لیا اور ایسا روپوش ہوا کہ پھر کہیں بھی، کسی بھی روپ میں کبھی پرگٹ نہ ہوا۔ اس منظر کو کبھی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیا اور حیات الدنیا کی منزل اِسی منظر کی پیشوائی میں طے کی۔

خوشی غم کو بھلا دیتی ہے لیکن اِس غم کو کبھی نہ بھلا سکی۔ وقت ہر زخم کا مرہم ہوتا ہے مگر یہ زخم کبھی مندمل نہ ہو سکا۔ اور گہرا ہوتا گیا۔ مصروفیت ہر حادثہ بھلا دیتی ہے مگر اِس حادثہ کو فراموش نہ کر سکی۔ اس کی یاد ہمیشہ تازہ رہی۔ دل سے آہ اور آنکھ سے آنسو بن کر نکلی....

یہ غم شہادت کا نہیں اور نہ ہی ایمان شہادت پہ غمناک ہوا کرتا ہے۔ شہادت پہ رونا ایمان کے شایانِ شان ہی نہیں۔ ایمان تو شہادت کی تمنا کیا کرتا ہے، استقبال کیا کرتا ہے، خراجِ تحسین پیش کرتا ہے اور شکر بجا لاتا ہے۔

شہادت حیاتِ جاوداں ہے اور موت کا بلند ترین اعزاز۔

شہادت مقامِ شکر ہے نہ کہ مقامِ شکوہ و شکایت۔
ایمان شہادت سے کبھی نہ گھبرایا اور نہ ہی آبدیدہ ہوا۔
یہ غم شہادت کا نہیں، پامالیٔ حرمت کا ہے
موت کا نہیں، تقدس کی تضحیک کا ہے
اور یہ غم بھی شہادت کی طرح جاوداں ہے۔
کسی نے بھی یہاں نہیں رہنا، نہ جابر نے نہ مجبور نے،
داستان زندہ رہے گی۔
تیری تصویر کا تصور، اے شہزادۂ کونین!
میرے دل کی دنیا میں ہمیشہ زندہ اور قائم رہتا ہے۔
جب یاد آتی ہے، رو لیتے ہیں۔
تیرے زخم میرے دل میں ہر وقت تازہ اور خوں فشاں رہتے ہیں،
کبھی مندمل نہیں ہوتے گویا کل کی بات نہیں، آج کی ہے۔
تیرے گلستانِ عقیدت کے پھول سدابہار رہتے ہیں، خزاں سے نابلد۔
جب چاہا جھولی بھر لی۔
یہ رونا ایک میرا ہی رونا نہیں، ہر صاحبِ دل کا رونا ہے۔
جنگل کے ہر شجر و حجر کا رونا ہے، جو اکثر آتا ہی رہتا ہے۔
جب آتا ہے جھڑی لگ جاتی ہے۔ رو رو کر دریا بہادیتے ہیں۔ اور نہا نہا کر ظاہر و باطن کی کثافت و غلاظت کو یوں صاف کر دیتے ہیں جیسے دھوبی کپڑوں کو میل سے۔

آنکھوں کا پانی جب بہتے بہتے خشک ہونے لگتا ہے، خونِ جگر سے آبیاری شروع کر دیتے ہیں۔

حسینؑ کا سر قلم، جسم برہنہ، لاشہ روندا ہوا۔

حسینؑ کے خیمے جلے ہوئے، لُٹے ہوئے۔ جانثار خون میں نہائے ہوئے۔

اہلِ بیت رسیوں میں جکڑے ہوئے۔

حسینؑ کی داستان رنگین، پُرسوز، پُردرد۔

اِسی درد میں تڑپ ہے

جذب ہے

نشہ ہے

اور یہی نشہ درالاحسان کی جان ہے،

آن ہے

اور پہچان ہے ماشاء اللہ!

اور یہ پہچان جاوداں رہے!

یا حی یا قیوم فتقبل آمین آمین آمین

☆

سچ پوچھو تو اُن کے فراق میں سیلِ بیکراں کی طرح آنسو بہانا ہم خاک نشینوں کا اصل غسلِ عصیاں ہے۔

ایک نے کہا: دل جب گرد آلود ہونے لگتا ہے، مولائے حسینؑ کے فراق میں بہائے ہوئے آنسو اسے دھو کر شفاف کر دیتے ہیں اور یہ اکثر ہوتا ہی رہتا ہے۔

جو دل غمِ حسین سے آباد ہے، معصوم ہے۔
شہادتِ عظمٰی میں بہنے والے خون کے ہر قطرہ پہ آنسو بہانا غسلِ عصیاں ہے اور غسلِ عصیاں میں شفا ہوتی ہے۔

O

## حسینؑ ابنِ حیدرؓ پہ لاکھوں سلام

حسینؓ دوشِ رسولؐ کی رحل پہ ناطق قرآں
حسینؓ آغوشِ بتولؓ میں شہزادۂ کون و مکاں
حسینؓ پشتِ رسولؐ پر شہسوارِ دو جہاں
حسینؓ کی شہادت پر ساقیٔ کوثرؑ نازاں

ماشاءاللہ!

شہزادۂ کونین **سیدنا مولائے حسین** رضی اللہ عنہ وعلیہ السلام

کیا آپ کے دل میں حسینؓ کے لیے کوئی بھی جگہ نہیں؟ پھر تو یہ دل سینے میں رکھنے کے قابل نہیں! ناقص ہے، بے وفا ہے اور کبھی زندہ وبیدار نہیں ہو سکتا۔

میرے مولاؑ حوضِ اصفیٰ کے ساقی۔ اور وہ فرش پہ ہے عرش پہ نہیں۔ جو اس سے ایک گھونٹ پی لیتا ہے، امر ہو جاتا ہے، کبھی مردود نہیں ہوتا۔ میرے مولا دارالاقامت کے مقیم۔ اور کوئی کیا جانے کہ وہ کیا ہے اور کہاں ہے؟

میرے مولائے حسینؑ کے سوا ہمارے پاس ہے ہی کیا؟ فضائل و مسائل؟ ہمارے پاس حسینؓ سے بہتر اور کوئی نمونہ نہیں۔ جنگل کا کوئی پھول ایسا نہیں جو اُن کی یاد میں آنسو نہ بہائے۔

میرے مولاؑ دین کے دین پناہ
عشق کے میرِ کارواں
فنا سے بے پروا
بقا کے راہبر
اور وفا کی انتہا ہیں

میرے مولاؑ کی شخصیت و شہادت کسی بھی تعارف کی محتاج نہیں۔ ہنود کا قلم رکا، آفرین کہا پھر آگے چلا۔ اگر اُن کی شان میں کوئی ہندو کچھ کہتا، ہم منہ پھیر لیتے، آنکھیں بند کر لیتے، کانوں میں انگلیاں دے لیتے۔ اگر پھر بھی باز نہ آتا تو میدان میں اتر آتے، پھر دونوں میں سے ایک اس دنیا میں رہتا۔

کیا یہ حسینؓ وہی نہیں جن کی شان میں حضور اقدس ﷺ فرماتے :

حسین منی و انا من حسین

"حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں"

شہزادۂ کونین سیدنا امام حسینؓ کی ولادت ۵ شعبان ۲ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ حضور سید عالم ﷺ نے آپ کا نام حسین اور شبیر رکھا۔ آپ کی کنیت ابو عبداللہ لقب سبطِ رسولؐ ہے۔

آپ کے برادرِ معظم کی طرح آپ کو بھی حضور ﷺ نے جنتی جوانوں کا سردار اور اپنا فرزند فرمایا۔ حضور ﷺ کو آپ کے ساتھ کمال الفت و محبت تھی۔ حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے حسین سے محبت مجھ سے محبت ہے اور ان سے عداوت مجھ سے عداوت رکھنا ہے۔

❖❖❖❖❖

## مناقب وفضائل امام حسن و حسین علیہما السلام

### حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

حسینؓ مجھ سے اور میں حسینؓ سے ہوں

عن یعلی بن مرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ حسین منی و انا من حسین احب الله من احب حسینا حسین سبط من الاسباط
(رواه الترمذی)

حضرت یعلیٰ بن مُرہؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہے "حسین مجھ سے ہے اور میں حسینؓ سے ہوں۔ جس نے حسینؓ سے محبت کی، اللہ نے اس سے محبت کی اور حسینؓ سبط ہے اسباط میں سے (یعنی میری بیٹی کا بیٹا ہے)

### امام حسین علیہ السلام کی پیدائش کی پیشین گوئی

عن ام الفضل بنت الحارث انها دخلت علی رسول الله ﷺ فقالت یا رسول الله انی رایت حلما منکرا للیلة قال و ما هو قالت رایت کان قطعة من

حضرت ام فضل بنت حارثؓ کہتی ہیں کہ انہوں نے جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں نے آج رات بہت بر اخواب دیکھا ہے۔ آپ ﷺ نے

جسدک قطعت و وضعت فی حجری فقال رسول الله ﷺ رایت خیرا تلد فاطمة ان شاء الله غلاما یکون فی حجرک فولدت فاطمة الحسین فکان فی حجری کما قال رسول الله ﷺ فدخلت یوما علی رسول الله ﷺ فوضعته فی حجره ثم کانت منی التفاتة فاذا عینا رسول الله ﷺ تہریقان الدموع قالت فقلت یا نبی الله بابی انت و امی مالک قال اتانی جبرئیل علیه السلام فاخبرنی ان امتی ستقتل ابنی هذا فقلت هذا قال نعم و اتانی بتربة من تربته حمراء

نے پوچھا وہ کیا ہے ؟انہوں نے کہا وہ بہت سخت اور ناگوار خواب ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ کیا ہے ؟انہوں نے عرض کیا میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے جسمِ مبارک سے ایک ٹکڑا کاٹا گیا ہے اور میری گود میں رکھ دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو نے اچھا خواب دیکھا۔ انشاء اللہ حضرت فاطمہؓ کے ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تیری گود میں رکھا جائے گا۔ چنانچہ حضرت فاطمہؓ کے ہاں حضرت حسینؑ پیدا ہوئے اور میری گود میں رکھے گئے جیسا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔ پھر میں ایک روز حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں گئی اور حضرت حسینؑ کو آپ ﷺ کی گود میں دے دیا۔ پھر میں دوسری طرف دیکھنے لگی۔ اچانک میں نے دیکھا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبیؐ! میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں! کیا بات ہے ؟

آپ ﷺ نے فرمایا ابھی ابھی حضرت جبرئیلؑ میرے پاس آئے تھے۔ انہوں نے مجھ کو بتایا کہ عنقریب تیری امت تیرے اِس بیٹے کو شہید کرے گی۔ میں نے عرض کیا اِس بیٹے کو؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! اور میرے پاس اُس جگہ کی مٹی بھی لائے تھے، جہاں اسے شہید کیا جائے گا اور وہ سرخ مٹی تھی!

(بیہقیؒ)

## شہادتِ حسینؑ کی خبر

عن سلمٰی قالت دخلت علی ام سلمة و ھی تبکی فقلت ما یبکیک قالت رایت رسول الله ﷺ تعنی فی المنام و علی راسه و لحیته التراب فقلت مالک یا رسول الله قال شھدت قتل الحسین انفا

(رواه الترمذی)

حضرت سلمٰیؓ کہتی ہیں کہ میں ام المومنین حضرت اُمِّ سلمہؓ کے پاس آئی، وہ اس وقت رو رہی تھیں۔ میں نے پوچھا کیوں روتی ہو؟ انہوں نے کہا میں نے جناب رسول اللہؐ کو (خواب میں اِس حالت میں) دیکھا کہ آپؐ کے سر مبارک اور ریش مبارک پر خاک پڑی ہوئی تھی۔ میں نے پوچھا یارسول اللہؐ کیا ہوا! آپؐ خاک آلودہ کیوں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا میں ابھی حضرت حسینؑ کی شہادت میں موجود تھا۔ (ترمذیؒ)

o

عن ابن عباس انه قال رایت النبی ﷺ فیما یری النائم ذات یوم بنصف النهار اشعث اغبر بیده قارورة فیها دم فقلت بابی انت و امی ماهذا قال هذا دم الحسین و اصحابه ولم ازل التقطه منذا الیوم فاحصی ذلک الوقت فاجد قتل ذلک الوقت۔

(رواهما البیهقی فی دلائل النبوة و احمد الاخیر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک روز حضور اقدس ﷺ کو خواب میں اِس حال میں دیکھا کہ دوپہر کا وقت ہے اور آپؐ پریشان حال، غبار آلود ایک شیشی ہاتھ میں لیے ہوئے ہیں جس میں خون بھرا ہوا ہے۔ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں یہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ حضرت حسینؓ اور ان کے ہمراہیوں کا خون ہے۔ جس کو میں صبح سے اس وقت تک اس شیشی میں اکٹھا کرتا رہا ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ خواب میں جو وقت حضور ﷺ نے بتایا تھا میں نے اس کو یاد رکھا اور پھر دریافت کیا تو امام حسینؓ ٹھیک اسی وقت شہید کیے گئے تھے۔

(بیہقیؒ)

o

## حضورِ اقدس ﷺ حضرت حسینؑ کا جسم سُونگھتے اور گلے لگاتے

عن انس رضی الله عنه قال سئل رسو ل اللهﷺ ای اهل بیتک احب الیک قال الحسن و الحسین و کان یقول لفاطمة ادعی لی ابنی فیشمهما و یضمهما الیه

(رواه الترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ سے پوچھا گیا اہلِ بیت میں آپ کو کون شخص سب سے زیادہ پیارا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا حضرت حسن و حسینؓ۔ جناب رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہؓ سے کہا کرتے تھے میرے دونوں بیٹوں کو بلاؤ پھر آپ حضرت حسن و حسین علیہما السلام دونوں کے جسم کو سونگھتے اور اپنے گلے سے لگاتے۔ (ترمذی)

## حضرت حسن و حسین حضور ﷺ سے مشابہ ہیں

عن علی رضی الله عنه قال الحسن اشبه رسول اللهﷺ ما بین الصدر الی الراس والحسین اشبه النبیﷺ ماکان اسفل من ذلک۔

(رواه الترمذی)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ حضرت حسنؓ جناب رسول اللہ ﷺ سے بہت مشابہ ہیں (یعنی شکل و صورت میں) سر سے لے کر سینہ تک، اور حضرت حسینؓ حضور اقدس ﷺ کے جسم کے زیریں حصہ سے بہت مشابہ ہیں۔ (ترمذی)

## حسنؓ و حسینؓ نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں

عن ابی سعید رضی الله عنه قال قال رسول اللهﷺ الحسن و الحسین سید شباب اهل الجنة (رواه الترمذی)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فرمایا جناب رسول اللہﷺ نے، حضرت حسن و حسین علیہما السلام نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ (ترمذیؒ)

## حسنؓ و حسین حضورﷺ کی دنیا کے پھول ہیں

عن ابن عمر رضی الله عنهما ان رسول اللهﷺ قال ان الحسن والحسین هما ریحانی من الدنیا۔ (رواه الترمذی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہﷺ نے فرمایا ہے حضرت حسنؓ اور حسینؓ میری دنیا کے دو پھول ہیں۔ (ترمذیؒ)

O

ولایتِ ہند کے مایہ ناز صوفی حضرت خواجہ غریب نواز حسن سنجری ثم اجمیریؒ مکتبۂ عشق و محبت کے فارغ التحصیل، دینِ اسلام کی دعوت و تبلیغ کے علمبردار .... فرماتے ہیں :

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ
دیں است حسینؑ دین پناہ است حسینؑ
سرداد، نہ داد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

تبلیغ ..... سنتِ مؤکدہ
نبوت کی شاہکار
ملی تعمیر کی معمار
دین کی احیاء
فرضِ کفایہ اور
امتِ محمدیہ ﷺ کی امتیازی شان ہے۔

طریقت... طریقِ نبوت
اور طریقِ نبوت... دین کی دعوت و تبلیغ ہے۔ طریقِ نبوت کی اتباع ہی سنت کی صحیح اتباع ہے۔
سنت کی اتباع کر۔
تبلیغ دینِ حق کی اشاعت کی علمبردار۔
جس تبلیغ میں میرے آقا روحی فداہ ﷺ کی محبت جلوہ گر نہیں ہوتی .... شجر ہے مگر اپھل۔

میرے آقا روحی فداہ ﷺ سے محبت ہی دین کی تبلیغ ہے۔
کوفہ میں دین ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ میرے آقا روحی فداہ ﷺ کی محبت کے دعویدار بھی تھے مگر اہلِ بیت سے محبت نہ تھی۔ اسی باعث ان کا دین برباد ہوا۔
حضور اقدس ﷺ کی محبت اہلِ بیت کی محبت میں ہے اور یہی دین کی اصل ہے۔
تیری تبلیغ میں سبھی کچھ ہے، میرے آقا روحی فداہ ﷺ کی محبت نہیں۔
زبان پہ تو ہے، دل میں نہیں اور تبلیغ کا دارومدار محبت پہ موقوف۔

# المناقب

## مناقب و فضائل اہلبیت رضوان اللہ علیہم اجمعین

### اہلبیتؓ کی فضیلت

عن عائشة رضى الله عنها قالت خرج النبیﷺ غداة و عليه مرط مرحل من شعر اسود فجاء الحسن بن على رضى الله عنه فادخله ثم جاء الحسين فدخل معه ثم جاء ت فاطمة فادخلها ثم جاء على فادخله ثم قال انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت و يطهركم تطهيرا

(رواه مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ایک روز صبح کے وقت ایک سیاہ نقش دار کملی اوڑھے باہر تشریف لائے (غالباً صحن مکان میں) کہ آپ ﷺ کی خدمت میں حضرت حسن بن علیؓ حاضر ہوئے۔ آپؐ نے ان کو کملی کے اندر بٹھالیا۔ پھر حضرت حسینؓ آئے ان کو بھی آپ نے کملی کے اندر بٹھالیا۔ پھر حضرت فاطمہؓ آئیں، آپؐ نے ان کو بھی کملی کے اندر بٹھالیا۔ پھر حضرت علیؓ آئے اور آپؐ نے ان کو بھی کملی کے اندر داخل کرلیا۔ اور یہ آیت پڑھی انما یرید اللہ ... الخ یعنی اے اہلبیت اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ تم سے گناہوں کی ناپاکی دور کردے اور تم کو پاک و صاف کردے جیسا کہ پاک و صاف کرنے کا حق ہے۔(مسلم)

○

عن زید بن ارقم رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ قال لعلی و فاطمة و الحسن و الحسین انا حرب لمن حاربهم و سلم لمن سالمهم

(رواه الترمذی)

حضرت زید بن ارقم ؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت علیؓ، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نسبت فرمایا: جو شخص ان لوگوں سے لڑے، میں اس سے لڑنے والا ہوں اور جو شخص ان سے مصالحت رکھے، میں اس سے صلح رکھنے والا ہوں۔ (ترمذیؒ)

○

## اہلبیت سے محبت کرو

عن ابن عباس رضی الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ احبوا الله لما یغذوکم من نعمة و احبونی لحب الله و احبوا اهل بیتی لحبی۔

(رواه الترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہے تم اللہ سے اس لیے محبت کرو کہ وہ غذا اور اپنی نعمتیں عطا کرتا ہے اور مجھ سے اس لیے محبت کرو کہ تم اللہ سے محبت رکھتے ہو اور میرے اہلِ بیتؓ کو میری محبت کی وجہ سے محبوب رکھو! (ترمذیؒ)

## اہلِ بیت نوحؑ کی کشتی کی مانند ہیں

عن ابی ذر رضی الله عنه انه قال و هو اخذ بباب الکعبة سمعت النبی ﷺ یقول الا ان مثل اهل بیتی فیکم مثل سفینة نوح من رکبها نجا و من تخلف عنها هلک۔

(رواه احمد)

حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے انھوں نے کعبہ کے دروازے کو پکڑ کر یہ بیان کیا کہ میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: آگاہ ہو کہ میرے اہلِ بیت تمہارے لیے نوحؑ کی کشتی کے مانند ہیں۔ جو شخص کشتی میں سوار ہوا، اس نے نجات پائی اور جو کشتی میں سوار ہونے سے پیچھے رہ گیا، وہ ہلاک ہوا۔ (احمدؒ)

## قرآنِ کریم اور اہلِ بیتؓ کی اتباع کرو

عن زید بن ارقمؓ قال قال رسول الله ﷺ انی تارک فیکم ما ان تمسکتم به لن تضلوا بعدی احدهما اعظم من الاخر کتاب الله حبل ممدود من السماء الی الارض و عترتی اهل بیتی و لن یتفرقا حتی یرد علی الحوض فانظر و اکیف تخلفونی فیهما۔

(رواه الترمذی)

حضرت زید بن ارقمؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہے میں تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑتا ہوں کہ اگر تم اس کو مضبوط پکڑے رہے اور اس پر عامل رہے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے اور یہ دو چیزیں ہیں جن میں سے ایک دوسری سے بڑی ہے یعنی اللہ کی کتاب مانند ایک رسی کے ہے، جو آسمان سے زمین تک پھیلائی گئی ہے اور دوسری چیز

میری عترت ہے میرے اہلِ بیت میں سے۔ اور اللہ کی کتاب اور میری عترت قیامت کے دن ایک دوسرے سے ہر گز جدا نہ ہوں گی یہاں تک کہ حوض پر آئیں گی۔ پس تم دیکھو کہ میرے بعد تم دونوں چیزوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو۔(ترمذیؒ)

## اہلِ بیت کی فضیلت

عن عمرو بن ابی سلمة ربیب النبی ﷺ قال نزلت هذه الایة علی النبی ﷺ انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت و یطهرکم تطهیرا فی بیت ام سلمة فدعا النبی ﷺ فاطمة و حسنا و حسینا فجعللهم بکساء و علی خلف ظهره فجعللهم بکساء ثم قال اللهم هؤلاء اهل بیتی فاذهب عنهم الرجس و طهرهم تطهیرا قالت ام سلمة و انا معهم یا

حضرت عَمرو بن ابی سلمہؓ پروردۂ حضور نبی کریم ﷺ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ پر یہ آیت انما یرید اللہ لیذھب ....الخ (یعنی اے اہلِ بیت! اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ تم سے گناہوں کی ناپاکی کو دور کر دے اور تم کو پاک و صاف کر دے) حضرت اُمِّ سلمہؓ کے گھر میں نازل ہوئی۔ اِس پر جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمۃُ الزہراؓ، حضرت حسن و حسین علیہم السلام کو بلایا اور ان کو چادر اوڑھائی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ آپؐ کے پیچھے تھے۔ ان پر بھی چادر ڈال کر

رسول الله قالت انت علی مکانک و انت الی خیر
(رواہ الترمذی)

فرمایا۔ الٰہی! یہ میرے اہلبیت ہیں تو ان سے گندگی دور فرما۔ اور ان کو پاک وصاف بنا دے۔ حضرت اُمِّ سلمہؓ نے عرض کیا مَیں بھی ان کے ساتھ ہوں یارسولؐ اللہ! آپؐ نے فرمایا تم اپنی جگہ پر ہو اور تم خیر کی جانب ہو۔ (ترمذیؒ)

## مباہلہ کا واقعہ اور اہل بیت

سعد بن ابی وقاص قال لما نزلت هذه الاية فقل تعالوا ندع ابناء نا و ابناء کم دعا رسول الله صلی الله علیه وسلم علیا و فاطمة و حسنا و حسینا فقال اللهم هؤلاء اهل بیتی
(رواہ مسلم)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت فقل تعالوا ندع ابناء نا ...الخ (یعنی بلاویں ہم اپنے بیٹوں اور تمہارے بیٹوں کو) نازل ہوئی تو حضور اقدس ﷺ نے حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو بلوایا اور فرمایا اے اللہ! یہ لوگ میرے اہلِ بیت ہیں۔ (مسلمؒ)

☆

محبت .... ہر راہ رو کی راہنما

ہر راہ رو کی منزل

ماشاءاللہ!

مبارکًا مکرمًا مشرفًا

محبت کا منکر بازی ہار جاتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دین کے علم کی کمی کو پورا کرتی ہے لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی کمی کو دین کا کوئی بھی علم کبھی پورا نہیں کر سکتا۔

کیا آپ کو کوفے والوں کی خبر نہیں؟ ان کے پاس پورا دین مکمل تھا، ایک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کے بیٹے

شہزادۂ کونین سیدنا امام حسین علیہ السلام

سے محبت نہ تھی۔ اس ایک کمی کی بدولت ان کا سارا دین تباہ و برباد ہو گیا اور کوئی علم اُن کے کسی کام نہ آسکا۔

اس کے برعکس حرؓ یزید کے لشکر کا ایک سپاہی تھا۔ صبح تک دوزخ کے دہانے پہ کھڑا آگ میں کودنے کو تیار تھا۔ جونہی میرے مولائے حسینؑ کی محبت اس کے اجڑے ہوئے دل میں جلوہ گر ہوئی، یزید کے لشکر سے فرار ہو کر امامِ ربانی مرفوع الشہید سید الشہداء کی خدمت میں جا حاضر ہوا اور شام سے پہلے ساقیٔ کوثر صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں جا بیٹھا۔ حرؓ کے پاس دین کا کافی علم نہ تھا لیکن سرکارِ عالی مقام شہزادۂ کونین سیدنا امام حسین علیہ السلام کی محبت نے دین کے علم کی ساری کمی کو پورا کر دیا۔

# عظمتِ حرؓ

حرؓ دوزخ کے دہانے پر کھڑا تھا۔ آگ میں کودنے کو تیار تھا کہ نوشتۂ تقدیر نے یکایک پلٹا کھایا۔ حرؓ کے دل میں میرے مولاؑ کی محبت جلوہ گر ہوئی اور اپنے آپ پر تاسّف کرنے لگا

کہتا ہے یہ خود سے کہ بڑا ظلم کیا ہے　　　مولاؑ کو جو نرغے میں لعینوں کے دیا ہے

مولا کی ہے وہ ذات کہ جس کا نہیں ہمسر
چاہے یہ اگر فرش اتر آئے زمیں پر
یہ وہ ہے شفاعت جو کرے گا سرِ محشر
کاٹیں گے گلا اس کا جفا کار و ستمگر
احسان ہے جس ذات کا محتاج و غنی پر
سر اُس کا چڑھائیں گے یہ نیزے کی اَنی پر

حرؓ یہ سوچتے ہوئے اپنے بھائی اور بیٹے کو ساتھ لے کر لشکرِ بے پیر سے نکل آیا اور ان سے مخاطب ہو کر کہنے لگا

جاتا ہوں میں اب سیدِ ذیشان کی جانب
صد فخرِ جہاں خُلد کے سلطان کی جانب
دیں پہلے ہی تھا وارثِ قرآن کی جانب
ایماں بھی چلا مخزنِ ایمان کی جانب
میں سانچۂ سادات کی الفت کے ڈھلا ہوں
پابوسیٔ سردارِ مدینہ کو چلا ہوں

طاقت ہے تو آؤ مری شمشیر کو روکو
سب مل کے مرے دستِ قضا گیر کو روکو
روکو میرا راہوار میرے تیر کو روکو
ہمت ہے تو خاکِ درِ شبیرؑ کو روکو
آؤ گے مقابل تو تہِ تیغ کروں گا!
اِس دشت کے دامن کو میں لاشوں سے بھروں گا!

یہ کہہ کے حُرِّؓ غازی نے وہ باگ اٹھائی
شبدیز نے ٹاپوں سے عجب گرد اڑائی
اِک پہلو میں فرزند ہے اِک پہلو میں بھائی
وہ شور ہے جس میں نہیں کچھ دیتا سنائی
ملعون یہ کہتے ہیں کہ ہم ہار گئے ہیں!
اِک لاکھ کو یہ تین جواں مار گئے ہیں!

کس شان سے وہ گرد اڑاتے ہوئے نکلے
بگڑی ہوئی قسمت کو بناتے ہوئے نکلے
وہ دبدبہ وہ جوش دکھاتے ہوئے نکلے
دامن کو جہنم سے بچاتے ہوئے نکلے
آغوش کشا شاہؑ جو اب اُن کے لیے ہیں!
رضوان نے فردوس کے درکھول دیے ہیں!

جا پہنچے ہیں اب خلوتِ مخدومِ جہاں میں
فخرِ فلکِ سایۂ دامانِ اماں میں
غلطاں ہوئے وحدت کے جو سیلابِ رواں میں
خنکی ملی آنکھوں کو تو جاں آگئی جاں میں
حرؓ کہتا ہے وہ حضرتِ شبیرؑ کھڑے ہیں!
گھوڑوں سے اتر جاؤ میرے پیر کھڑے ہیں
سرورؑ کے قدم چوم کے یہ حرؓ نے صدا کی
حد کوئی نہیں آپ کے الطاف و عطا کی
سب آپ کے محکوم ہیں نوری ہوں کہ خاکی
جو آپ کی مرضی ہے وہ مرضی ہے خدا کی
دانندۂ ہر عقدۂ دشوار ہیں مولا!
ہم عاصیوں کے آپ ہی غمخوار ہیں مولا!
یہ سن کے دلِ حضرتِ شبیرؑ بھر آیا
کاندھوں سے پکڑ کر حُرِؓ غازی کو اٹھایا
پیشانی کو پھر چوم کے سینے سے لگایا
مُژدہ اسے محشر میں شفاعت کا سنایا
پتھر پہ نظر ڈال کے دُر کر گئے شبیرؑ
لا ریب حُرِؓ غازی کو حر کر گئے شبیرؑ

## حرؑ میدانِ وغا میں

کہتی ہے یہ شمشیر مری پیاس بجھاؤ
گھوڑوں پہ، پیادوں پہ، سواروں پہ چلاؤ
بھڑکاؤ سرِ حرب جہنم کے الاؤ
بجلی ہوں، مجھے خرمنِ باطل پہ گراؤ
میں آگ ہوں کھا جاؤں گی سب فتنہ گروں کو
روندے گا فرس آپؑ کے دشمن کے سروں کو

یہ حُر ہے یہ شمشیر زنوں سے نہیں ڈرتا
کثرت کی یہ پروا سرِ میداں نہیں کرتا
بندہ ہے یہ اب حضرتِ شبیرؑ کے در کا
پھرتا ہے اِسی فخر پہ ہر سُو یہ نِکھرتا
میدان میں یہ موت کو اب ڈھونڈ رہا ہے
آپ اپنی شہادت کا سبب ڈھونڈ رہا ہے

کٹ کٹ کے پیادوں پہ گرے جاتے ہیں اسوار
پی پی کے لہو خشک زمیں ہو گئی گلزار
جو سامنے آتا ہے سو ہو جاتا ہے فِی النّار
تیغوں کی چخا چخ ہے کہ ہے موت کی للکار
چندھیائی ہیں آنکھیں تو برا حال ہے دل کا
لا یُوفیوں کو جادۂ کوفہ نہیں ملتا

گرد اتنی اُڑی ہو گئیں تاریک فضائیں
سب بھول گئے اہلِ جفا اپنی جفائیں
ہر سمت سے اٹھتی ہیں یہ پُردرد صدائیں
اِن تینوں سے کس طَور سر و تن کو بچائیں
اک لحظہ بھی ہم کو یہ سنبھلنے نہیں دیتے
آواز کسی منہ سے نکلنے نہیں دیتے
شمشیر ہے یا لیلِ قضا کی ہے روانی
رہوار کی تندی ہے قیامت کی نشانی
زَہرہ کیا اشرار کا جرّار نے پانی
جولاں ہیں جہنم کی طرف ظلم کے بانی
کرتا ہے جری وار جو پہلو کو بدل کے
سب کہتے ہیں پیاسا ہے لہو کا یہ ازل سے
محشر کی گھڑی آج ہے میدانِ وِغا میں
خم آتا نہیں قامتِ شمشیرِ دوتا میں!
بجلی کی طرح کوندتی پھرتی ہے فضا میں
ہر نحس ہے اب سایۂ دامان قضا میں
حرؓ کہتا ہے بتلاؤ سپہ دار کہاں ہے؟
جو سعد کا بیٹا ہے وہ مردار کہاں ہے؟

## حرؓ کی شہادت

حرؓ کے بھائی اور بیٹا شہید ہو گئے۔ حرؓ کے معرکوں سے خاکِ کرب و بلا دشمنوں کے خون سے سیراب ہو گئی۔ سبطِ پیمبرؐ کے دشمنوں کے سینکڑوں سر میدان

میں لڑھکنے لگے تو انہوں نے ہر طرف سے زہر آلود تیروں کی بارش کر دی۔ اور بالآخر حرؓ شدید زخمی ہو کر گر پڑے۔

پیوست ہوئے تیر کئی سینہ و سر پر
جرّار کا بازو گرا میدان میں کٹ کر
مارا ہے لعینوں نے جو اب گُرزِ گراں سر
دی حُرؓ نے یہ آواز کہ یا سبطِ پیمبرؐ!
ڈوری مرے اَنفاس کی اب ٹوٹ رہی ہے!
مولاؑ میرے ہاتھوں سے سناں چھوٹ رہی ہے!
یہ وقتِ مدد ہے میری امداد کو آؤ
بیکس کو پھر اک بار کلیجے سے لگاؤ!
ناچیز کو پھر چہرۂ پُرنور دکھاؤ
تشنہ ہے زیارت کا، میری پیاس بجھاؤ!
مجبور کو دامن میں چھپا لیجئے مولا!
رخصت مجھے اِس دہر سے اب کیجئے مولا!

حُرؓ کی یہ فریاد سن کر فوراً حضرتِ شبیرؑ اس کے سرہانے پہنچے... اور

آغوش میں سر لے کے پکارے شہِ ذی شان
صدقے تیرے ایماں کے ترے عزم کے قربان
اِس دشت میں اے بیکس و مجبور کے مہمان
کی تو نے حقیقت کی کڑے وقت میں پہچان
دنیا ترے کردار کو رکھے گی سدا یاد
آئے گا ترے ذکر سے الطافِ خدا یاد

خاموش ہے کیوں اے مرے غمخوار دلاور
نزدیک ترے اب تو نہیں کوئی جفا گر
موجود ہیں بالیں پہ تری تیرے برادر
آ ہوش میں اے منزلِ عقبیٰ کے مسافر
یہ قاسمؓ و اکبرؓ ہیں، یہ عباسؓ کھڑے ہیں
سب تیرے طرفدار تیرے پاس کھڑے ہیں

کانوں میں پڑی حرؓ کے جو حضرتؑ کی یہ آواز
کوشش سے وفادار نے آنکھوں کو کیا باز
ہونٹوں سے ہویدا ہوئے گفتار کے انداز
دھیمے سے کہا اے مرے آقائےؑ سرافراز
کس منہ سے کروں شکر ادا ربِ جلی کا!
خادم ہوں تہِ چرخ میں فرزندِ نبیؐ کا!

بازارِ اجل سے یہ بڑی دھوم سے گذرے
ہر گام پہ اژدر کی طرح جھوم کے گذرے

ماشاءاللہ

حرؓ کی خدمت میں نیاز مندانہ سلام

ابوانیس محمد برکت علی لودھیانوی

محبت کو جب بھی موت کا سامنا ہوا،

موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرائی اور کبھی نہ گھبرائی۔

عقل کو پسِ پشت ڈال کر حب کی تفسیر محبت پہ چھا جاتی ہے اور جو کچھ بھی کرنے پہ آئے، کروا کر رہتی ہے۔

محبت کی تاریخ نے کہا حق حق حق۔

محبت کی پیاس کو تشنہ لب رکھنا بھی جانِ جاناں کی اک ادا ہے۔ کمال بھی کہیں تو بے جا نہیں۔

اے خسروِ خوباں!

تیری محبت کے پیاسے تشنہ لب مارے مارے پھرتے ہیں، بے چین رہتے ہیں، بے قرار رہتے ہیں، کبھی سیراب نہیں ہوتے۔ مے خانے کی ساری شراب بھی ان کی پیاس نہیں بجھا سکتی۔

اے ساقیٔ دوراں!

اپنی آنکھوں سے ایک جام پلا۔ ایسا پلا اور ایسا پلا کہ سیراب ہو کر ....

محبت کی اِسی پیاس نے فرات جیسے دریا سے معصوم اصغرؑ کو پانی کی ایک گھونٹ تک نہ پینے دی ....

جب آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ فرمایا

"تشنہ لب مرتا ہوں اے ساقیٔ کوثر دیکھو"

اللہ اللہ، ادا کی بے مثل ادا سے نوازا ....

تیری بے پرواہی کے رنگ

فرات جیسے دریا سے ساقیٔ کوثرؓ کے معصوم نواسے کا تشنہ لب رخصت ہونا دل نکل جانے کا مقام ہے۔

تیری بے پروائی کے انداز، اے او بے پرواہ! وریٰ الوریٰ، فہم وادراک سے بالاتر۔

آزمائش پہ آئے تو بے نیازی کی حد کر دے
درگزر پہ آئے تو بڑے سے بڑا قصور معاف۔

O

یہ تیری بے پروائی نہیں تو اور کیا ہے کہ بخشش پہ آئے تو رحمت کے دریا بہا ڈالے اور انبار در انبار گناہوں کو نظر انداز کر دے ... اور

دوسری طرف ... دریائے فرات کے کنارے اپنے حبیب اقدس ﷺ کی بیٹی کے بیٹے کو چلّو بھر پانی کے لیے ترسانا.... اے او پرواہ! تیری بے پروائی کے سوا اور کیا ہے؟

تیری بے پروائی کے رنگ ....رنگارنگ
نہ کوئی جان سکا
نہ کوئی جان سکے

# شہادتِ عُظمیٰ

یعنی

## حادثۂ کرب وبلا کی داستانِ خونچکاں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا .... کہ اللہ کے حضور قربانی پیش کرو.. عزیز ترین قربانی! ... انہوں نے اپنے گرد و پیش نظر دوڑائی.... سوچا .... کونسی چیز قربان کی جائے، جسے عزیز تر بھی کہا جا سکتا ہو! .... اونٹ ؟ بھیڑ بکریاں ؟ بچھڑے ؟ یہ سب چیزیں اگرچہ عزیز ہیں اور زینتِ دنیا کہلاتی ہیں، لیکن "عزیز تر" تو نہیں کہلا سکتیں!

تو پھر اپنی جان ؟.... لیکن یہ بھی تو پیش کر چکا ہوں۔ اگر میری جان کی قربانی مطلوب ہوتی، تو آتشِ نمرود کو یا نار کونی بردا و سلاما علی ابراہیم (اے آگ ابراہیمؑ پر ٹھنڈی ہو جا، سلامتی والی) کا اِذن کیوں ہوتا؟

پیغمبرانہ فراست نے کہا کہ دنیا کی عزیز ترین متاع اولاد ہے، وہ اولاد، جو بڑھاپے میں عطا ہوئی تھی۔ تعمیلِ ارشاد کے لیے اٹھے اور بیٹے کو لے کر قربان گاہ کی جانب چل دیے .... راستے میں بیٹے سے فرمایا: اے میرے لختِ جگر! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ اللہ کے حکم سے اُس کی راہ میں میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ کہو، اِس بارے میں تمہارا کیا خیال ہے ؟

سعادت مند فرزند نے کمال ادب سے سر جھکا کر عرض کیا :

یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی انشاء الله من الصبرین ط

"ابا جان! جس بات کا آپ کو حکم ہوا ہے بلا جھجھک کر ڈالئے۔ آپ
مجھے انشاءاللہ صابروں میں سے پائیں گے!"

بس پھر کیا تھا، باپ نے بیٹے کو لٹا کر سینے پہ گھٹنا ٹیک دیا اور چھری حلقوم پہ رکھ دی۔ فضاؤں میں سناٹا چھا گیا۔ وقت کی نبضیں رک گئیں۔ ملائکہ دم بخود ہیں، اطاعت و نیاز مندی اور عزم و ایثار کے اس لافانی منظر نے انہیں حیرت میں ڈال دیا ہے۔ عجیب منظر ہے۔ بڈھا باپ اپنی زندگی بھر کی تمناؤں کے ثمر کو.... اپنے سعادت مند لختِ جگر کو ابھی ذبح کیے دیتا ہے۔ افلاک کے پردوں میں رہنے والوں نے آج اس عظیم ہستی کو دوسری مرتبہ اِس رنگ میں دیکھا ہے .... پہلے نمرود کی بھڑکائی ہوئی آگ، جس کی تپش کا میلوں تک احساس ہوتا تھا، اللہ کے اس برگزیدہ بندے کے عزم کو متزلزل نہ کر سکی .... اور ..... بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق

اور آج پھر ..... بڑھاپے میں پائی ہوئی اولاد .... اور وہ بھی اسماعیلؑ جیسا سعادت مند بیٹا.... قربان گاہ میں لٹایا جا چکا ہے.... نہ خلیل کے ہاتھ میں لغزش ہے، نہ ذبیح کے سینے میں خوف.... ندا آئی.... ابراہیمؑ! تیرے عزم و استقلال کو اللہ نے پسند فرمالیا۔ تم باپ بیٹا اپنے امتحان میں پورے اترے ہو۔ تمہاری قربانی قبول ہوئی.... تمہاری اس شانِ عبودیت کو دوام بخشا گیا۔ قیامت تک کے لیے تمہاری اِس سنت کو زندہ و تابندہ رکھا جائے گا۔

اور ہاں! تمہارے اِس مقام کو بھی پسند فرمالیا گیا..... اب یہ مقام رہتی دنیا تک اللہ کا گھر کہلائے گا..... اللہ کی توحید کا مرکز۔ اہلِ عالم کی راہنمائی کا مرکز...!

پھر کارکنانِ قضاو قدر کو حکم ہوا،.... آگے بڑھو۔ میرے خلیلؑ کے صدق و صفا کا اعتراف کرو۔ میرے ذبیح کی جانسپاری اور اطاعت و فرمانبرداری کو تعظیم دو۔ قربانی کا مفہوم پورا ہو چکا۔ اب اِس مقام سے ہاتھ آگے نہ بڑھنے پائیں.... ذبحِ عظیم کے اِس اجمال کو اب یہیں سمیٹ لو کہ اہلِ عالم کو تاب نظارہ نہیں۔ ان کے ناپختہ قلوب واذہان ابھی اس کے متحمل نہیں ہو سکتے.... ابھی دنیا کا دامن اور وسیع ہو لینے دو۔ قلوب واذہان میں پختگی آ لینے دو۔ انہی محبوب بندوں کی نسل سے، انہی کے خون سے ذبحِ عظیم کی تفصیل لکھی جائے گی۔ ایسی تفصیل، جس سے مؤرخ ہمیشہ راہنمائی پاتے رہیں گے۔ تاریخ نئے عنوانات سے مزین ہوتی رہے گی۔

اِس آواز کے ساتھ ہی حلقوم پر رکھی ہوئی چھری کی دھار بے اثر ہو گئی، ذبیح کے گلے پر خراش تک نہیں آئی۔ اس قبولیت اور کامرانی پر صدق و صفا اور عجز و نیاز کے یہ دونوں پیکر.... یہ دونوں باپ بیٹا اٹھ کھڑے ہوئے، آنکھوں سے پٹیاں کھولیں، دیکھا ..... پہلو میں ایک مینڈھا قربان گاہ میں قربان ہونے کا منتظر ہے۔ جذبۂ تشکر سے عبودیت کا چہرہ تمتما اٹھا۔ سر اللہ کے حضور جھک گئے۔ ہونٹوں پر اللہ کی کبریائی کے نغمات تھے

الله اکبر الله اکبر لا اله الله

والله اکبر الله اکبر و لله الحمد

صدیوں پر صدیاں گذرتی رہیں۔ اقوامِ عالم کی تقدیریں بنتی اور بگڑتی رہیں۔ کرۂ ارضی پر جغرافیائی لکیریں پھیلتی اور سمٹتی رہیں۔ منتظر نگاہوں کا اضطراب

ہر لحظہ بڑھتا رہا۔ وہ ایک نا تمام افسانے کی تکمیل چاہتی تھیں۔ ایک کہانی کو اس کے منطقی انجام تک پہنچا ہوا دیکھنا چاہتی تھیں۔ ایک اجمال کی تفصیل کی آرزو مند تھیں۔ وہ اجمال، وہ نا تمام کہانی، جس کی ابتداء حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ سے ہوئی تھی۔

اور بالآخر وہ وقت آ پہنچا۔ انتظار کی گھڑیاں ختم ہو گئیں۔ ایک مقدس قافلہ نمودار ہوا۔ جس میں بچے ہیں، جوان سال ہیں، پختہ عمر ہیں، مستورات ہیں۔ اس قافلے کا امیر عجب شان سے اپنے قافلے کو بڑھائے لیے جا رہا ہے۔ اس کے چہرے کی سلوٹوں سے بے پناہ فراست اور اعتماد جھلک رہا ہے۔ پیشانی پر سجدوں کے نشان، تقدس اور جمال کی پرچھائیں ہیں۔ چال میں عظمت اور جلال ہے۔ کتنی پرکشش اور جاذب شخصیت ہے۔ عصمت و عفت اس کے ہر ہر پہلو سے نمایاں ہے۔

اونٹوں پر عماریاں غمازی کر رہی ہیں کہ ان میں سوار مستورات زمانے بھر کی حیا کی امین ہیں۔ چشمِ فلک کو بھی تاب نظارہ نہیں۔ ہوا کے جھونکے بھی چلمنوں کو چھونے سے پہلے اجازت طلب کرتے ہیں۔ فضاؤں میں اڑنے والے پرندے پہلو بدل کر نکلتے ہیں۔ ان عماریوں کے اوپر سے گذرنا ان کے نزدیک سُوئے ادب ہے۔ یہ مقدس قافلہ والے کون ہیں؟ کدھر جا رہے ہیں؟ وہ کونسی منزل ہے جس کی کشش آتش بار فضاؤں اور شعلہ سامان صحراؤں کی وسعتوں کو سمیٹے جا رہی ہے؟ تیور بتا رہے ہیں کہ سامنے کوئی عظیم مقصد ہے جو یوں بڑھ رہے ہیں!

وہ دیکھو.... سامنے گرد اڑتی نظر آ رہی ہے۔ شاید یہ بھی کوئی قافلہ ہے جو مخالف سمت سے بڑھتا چلا آ رہا ہے... اب تو ان کے گھوڑوں کی ٹاپیں بھی صاف سنائی

دے رہی ہیں .... لیکن یہ کوئی قافلہ تو نہیں، یہ تو کوئی فوجی دستہ ہے۔ اور پھر انہوں نے قافلے کے قریب پہنچ کر گھوڑوں کی باگیں کیوں کھینچ لی ہیں۔ کیا اِس مقدس قافلے کے استقبال کو آئے ہیں؟ کیا ان کو امیرِ قافلہ کی پیشوائی پر مامور کیا گیا ہے؟ لیکن نہیں.... ان کے تیور بتارہے ہیں کہ ان کے عزائم ٹھیک نہیں۔ وہ یوں قافلے کے ساتھ لگ گئے ہیں، جیسے ان کی نگرانی پر مامور ہوں۔ جیسے وہ ان کو گرفتار کرنا چاہتے ہوں۔

آواز آئی ..... حسینؓ اسیر ہوگئے! کون حسینؓ؟... وہی جن کے نانا مصطفٰےؐ، باپ مرتضٰیؓ اور ماں فاطمۃُ الزہراؓ ہیں۔ جن کے بارے میں شافعِ محشر ﷺ نے فرمایا سید شباب اهل الجنة۔ جو پیدا ہوئے تو رحمتِ دو عالم ﷺ نے گود میں لے کر اپنے لعابِ دہن سے گھُٹی دی۔ جو ہمیشہ نانا کی گود میں وہ کملی اوڑھ کر استراحت کیا کرتے جس کملی کی چھاؤں شفاعت کی علامت تسلیم کی جاتی ہے۔ جو گھٹنوں کے بل چل کر رحمتِ دو جہان ﷺ سے لپٹ جاتے تو آپ ﷺ اٹھا کر بوسے دیتے اور دوش مبارک پر سوار کرلیتے۔ ہاں ..... یہ وہی حسینؓ ہے جو سبطِ پیمبر ﷺ اور بنتِ رسولؐ کا نورِ نظر ہے۔ سرورِ کائنات ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک۔

لیکن یہ سپاہ انہیں اسیر کیوں کررہی ہے۔ یہ لوگ آخر کیا چاہتے ہیں؟ قافلہ ٹھہر چکا ہے۔ سپاہ بھی سامنے خیمہ زن ہوگئی ہے۔ ظہر کی اذان نے فضا کا سکوت توڑ ڈالا ہے۔ حسینؓ پورے عزم سے خیمہ گاہ سے نکلے ہیں، اور اہلِ لشکر سے مخاطب ہوکر فرما رہے ہیں:

"اے لوگو مَیں اللہ تعالیٰ کے سامنے اور تمہارے سامنے یہ عذر

رکھتا ہوں، کہ میں نے اس وقت تک یہاں آنے کا ارادہ نہیں کیا
جب تک کہ تمہارے بے شمار خطوط اور وفود میرے پاس نہیں
پہنچے۔ جن میں کہا گیا تھا کہ اِس وقت ہمارا کوئی امام اور امیر نہیں۔
آپ آجائیں تو امید ہے کہ اللہ تعالی آپ کو ہماری ہدایت کا ذریعہ بنا
دے۔ میں تمہارے بلانے پر آگیا ہوں۔ اب اگر تم اپنے عہد پر
قائم ہو تو میں تمہارے شہر کوفہ میں جاتا ہوں اور اگر اب تمہاری
رائے بدل گئی ہے اور میرا آنا ناگوار ہے تو میں جہاں سے آیا تھا،
وہیں واپس چلا جاتا ہوں۔"

تمام اہلِ لشکر خاموش بیٹھے یہ سب کچھ سن رہے ہیں۔ جب کوئی جواب نہیں آتا تو نماز کے لیے صفیں آراستہ کی جاتی ہیں۔ اہلِ قافلہ کے ساتھ سپاہِ دشمن بھی امامِ عالی مقام کی اقتداء میں نماز ادا کرتی ہے۔ امامِ برحق چاہتے ہیں اتمامِ حجت کا فرض ادا ہو جائے پھر لشکریوں کے سامنے کھڑے ہو کر ارشاد فرماتے ہیں :

"اے لوگو! اگر تم اللہ سے ڈرو اور اہلِ حق کا حق پہچانو، تو وہ اللہ تعالی
کی رضا کا سبب ہو گا۔ ہم اہلِ بیت اس خلافت کے زیادہ حقدار ہیں۔
ان لوگوں کے مقابلے میں جو حق کے خلاف اس کا دعوی کرتے
ہیں اور تم پر ظلم وجور کی حکومت کرتے ہیں اور اگر تم ناپسند کرتے
ہو، اور ہمارے حق سے جاہل ہو، اور اب تمہاری وہ رائے نہیں
رہی جو تمہارے خطوط میں لکھی تھی اور تمہارے قاصدوں نے
پہنچائی تھی، تو میں لوٹ جاتا ہوں۔"

امیرِ لشکر جواب تک خاموشی سے سب کچھ سن رہا تھا، اٹھا۔ سکوت توڑا اور کہنے لگا ..... "لیکن وہ ہم نہیں، جنھوں نے آپ کو بلایا یا خط لکھے۔ ہم تو صرف اس بات پر مامور ہیں کہ آپ کو کوفہ میں ابنِ زیاد کے پاس پہنچادیں۔"

ہاں! یہ ابنِ زیاد امیرِ کوفہ کا فرستادہ امیرِ لشکر حُر بن یزید التمیمی ہے۔ جسے حسینؑ کو اسیر کر کے کوفہ میں اس کے حضور پیش کرنے پر مامور کیا گیا ہے۔ تاکہ ان سے یزید کی بیعت لی جائے۔ یا پھر اِس شمعِ ہدایت کو ہمیشہ کے لیے گُل کر دیا جائے۔ تاریخ اپنے آپ کو دہرا کر اپنی ازلی فطرت کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ ہر مقام پر باطل نے صداقت کے ساتھ یہی سلوک کیا ہے۔ بے شک دنیا میں سچائی ہمیشہ مظلوم رہی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بقائے دوام کی دولت ہمیشہ صداقت ہی کے حصے میں آئی۔ یہ دستور ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا لیکن انسانی جہل کا کیا علاج، کہ اس نے کبھی تاریخ سے سبق حاصل کرنے کو پسند نہیں کیا۔

امیرِ لشکر حر کی یہ بات سن کر آپ نے فرمایا .... "واللہ! خوب غور سے سن لو کہ میرے جیتے جی تم ہرگز ایسا نہ کر سکو گے۔"

امیرِ لشکر نے کہا، .... اگر آپ کو یہ منظور نہیں، تو پھر کوئی ایسا راستہ اختیار کیجیے جو نہ کوفہ کو جاتا ہو اور نہ مدینہ کو..... تا آنکہ مجھے کوئی تازہ حکم نہ مل جائے۔

اور پھر یہ قافلہ .... یہ مقدس قافلہ ایک انجانے راستے پر چل پڑا۔ نہ منزل کا تعین ہے، نہ راستے کی خبر اور رخ بھی کسی معروف مقام کی طرف نہیں ہے.... ہائے! انجانی منزل کے مسافر!

آواز آئی .... اے کائنات کی منتظر نگاہو.... دیدۂ بصیرت کو وا کر لو... کہ

حسینؑ آج اس ناتمام داستان کی تکمیل کے لیے آ رہے ہیں جو خلیلؑ اور پسرِ خلیلؑ نے ناتمام چھوڑی تھی۔ آج وہ اس ذبحِ عظیم کے اجمال کی تفصیل اپنے اور اپنے اہلِ بیت کے خون سے تحریر کرنے آئے ہیں۔ تمہارے لیے یہاں بہت سا عبرت کا سامان ہو گا۔ زندگی کے بہت سے اسرار و رموز منکشف ہوں گے۔ انہیں اپنے دامنِ خرد میں سمیٹ لینا۔ مستقبل کی راہیں ان سے روشن کرو گے تو کبھی ٹھوکر نہ کھاؤ گے کیونکہ حسینؑ ایک شخصیت ہی نہیں، ایک آفاقی پیغام کا نام ہے۔ سنئے... حسینؑ کہہ رہے ہیں :

"اے لوگو! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی ایسے بادشاہ کو دیکھے جو اللہ کے حرام کو حلال سمجھے اور اللہ کے عہد کو توڑ دے، سنت رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے، اللہ کے بندوں کے ساتھ گناہ اور ظلم و عدوان کا معاملہ کرے اور یہ شخص اس کے ایسے افعال و اعمال دیکھنے کے باوجود کسی قول یا فعل سے اس کی مخالفت نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ اس کو بھی وہ اسی ظالم بادشاہ کے ساتھ اسی کے مقام (دوزخ) میں پہنچادے۔

اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ یزید اور اس کے امراء و حکام نے شیطان کی پیروی کو اختیار کر رکھا ہے۔ اور رحمٰن کی اطاعت کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ زمین میں فساد پھیلا دیا۔ حدودِ الٰہیہ کو معطل کر دیا۔ اسلامی بیت المال کو اپنی مِلک سمجھ لیا۔ اللہ کے حرام کو حلال کر ڈالا اور حلال کو حرام ٹھہرادیا۔ اور میں دوسروں سے زیادہ حقدار ہوں اور میرے پاس تمہارے خطوط اور وفود پہنچے۔ جنہوں نے

تمہاری بیعت کا پیغام مجھ تک پہنچایا اور یہ کہ تم میرا ساتھ نہ چھوڑ دو گے۔ اور میری جان کو اپنی جانوں کے برابر سمجھو گے۔ اب اگر تم اپنی بیعت پر قائم ہو تو ہدایت پاؤ گے۔ میں رسول اللہ ﷺ کی لختِ جگر فاطمہؓ کا بیٹا ہوں۔ میری جان آپ لوگوں کی جانوں کے ساتھ اور میرے اہل و عیال آپ لوگوں کے اہل و عیال کے ساتھ۔ تم لوگوں کو میرا اتباع کرنا چاہیے۔ اور اگر تم ایسا نہیں کرتے بلکہ میری بیعت کو توڑتے ہو اور میرے عہد سے پھر جاتے ہو تو وہ تم لوگوں سے کچھ بعید نہیں کیونکہ یہی کام تم میرے باپ علیؓ اور میرے بھائی حسنؓ اور میرے چچازاد بھائی مسلمؓ بن عقیل کے ساتھ کر چکے ہو۔

اور وہ آدمی فریب میں ہے جو تمہارے عہد و پیمان سے دھوکہ کھائے۔ سو تم نے اپنا آخرت کا حصہ ضائع کر دیا اور اپنے حق میں ظلم کیا اور جو شخص بیعت کر کے توڑتا ہے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے اور قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے تم سے مستغنی فرمادے"

(کامل ابن اثیر)

کسی واقعہ کی اہمیت اور قدر و قیمت کا اندازہ اس کے مقصد کے تعین ہی سے لگایا جاتا ہے۔ اور اس کے نتائج و آثار کی بلندی و پستی اسی میں مضمر ہوتی ہے۔ حسینؓ کا یہ مقصد کتنا واضح اور کتنا ارفع ہے۔ اس ارشاد کو بار بار دہرایئے کیونکہ آپ کے یہ الفاظ تاریخ ساز بھی ہیں اور ایمان افروز بھی۔ اور اسی سے آپ کے مقصد کا تعین بھی ہوتا

ہے۔ اور پھر اس پیغام کے پیچھے آپ کا عمل بھی کار فرما ہے جس نے اس کو آفاقی اور ابدی بنادیا ہے۔ اس میں روحانی اور اخلاقی اقدار کا ایک بحرِ بیکراں ٹھاٹھیں مارتا نظر آتا ہے۔ یزید کی بیعت یا ان حالات سے مصالحت کر کے امامِ عالی دنیاوی جاہ و حشم اور بے شمار مراعات حاصل کر سکتے تھے لیکن آپ نے اسے قبول نہیں فرمایا۔ اگر آپ ایسا کر گذرتے تو اسلام کی درخشندہ قدریں اور روایات ہمیشہ کے لیے یتیم ہو جاتیں۔ ان کی اہمیت ختم ہو جاتی۔ میدانِ حریت اجڑ جاتا۔

حسین کے اس مقدس مشن کی صداقت پر آپ کے اہلِ بیت بلکہ ایک ایک ساتھی کو یقینِ کامل تھا۔ اسی لیے تو اس مشن کی تکمیل کے لیے انہوں نے جان کی بازی لگادی۔ شہزادۂ امامِ عالی مقام علی اکبر نے عرض کیا۔ ابا جان! کیا ہم حق پر نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا بلاشبہ ہم حق پر ہیں۔ شہزادے نے کہا.... تو پھر ہمیں کیا ڈر ہے جب کہ ہم حق پر مر رہے ہیں۔ امامِ عالی مقام نے شہزادے کی پیشانی کو چوم لیا۔ اور فرمایا.... اللہ تمہیں جزائے خیر دے۔ تم نے اپنے باپ کا صحیح حق ادا کیا۔

مقصد کی سچائی اور پھر اس کے حصول میں مشکلات و مصائب سے ٹکرا جانا بڑے حوصلے کی بات ہے۔ اور پھر جس طرح حسینؑ، ان کے اہلِ بیت اور وفا شعار ساتھیوں نے ایک مقدس مشن کے لیے جان کی بازی لگائی، تاریخِ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

آیئے! ذرا میدانِ کرب وبلا میں آپ کو لے چلیں، جہاں خاندانِ رسالت خیمہ زن ہو چکا ہے۔ ہر طرف خوف و ہراس کے سائے ہیں۔ لق و دق صحرا ہے۔ حد نظر تک ریت پھیلی ہوئی ہے۔ نہ کہیں سبزہ ہے نہ سایہ دار درخت۔ سورج کی

شعاعیں زمین پر پڑتے ہی ریگزار دہک اٹھتا ہے۔ پہاڑی کی اوٹ میں کچھ دُور دریائے فرات بہہ رہا ہے۔ پرندے جب شدتِ گرما سے نڈھال ہو جاتے ہیں تو کچھ دیر کے لیے اس کے ساحل پہ بیٹھ کر ستا لیتے ہیں، پانی پیتے ہیں اور تازہ دم ہو کر اڑ جاتے ہیں۔ اس کے ساحل کا دامن ہر کافر و زندیق کے لیے بھی ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ یہاں جنگلی جانور، بھیڑیئے اور خنزیر تک کو پہنچنے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ انسان و حیوان سبھی اس سے حسبِ خواہش استفادہ کر سکتے ہیں لیکن آج میدانِ کرب وبلا میں سب سے پہلی آزمائش اس مقدس قافلہ پر یہ پڑی ہے کہ ان پر فرات کا پانی بند کر دیا گیا ہے اور دریا کے گھاٹ پر مسلح پہرہ بٹھا دیا گیا ہے۔ اب یہاں سے حق اور باطل کے درمیان ایک تاریخی جنگ کا آغاز ہو رہا ہے۔ کتنا المناک ہے یہ آغاز.... کہ ساقیٔ کوثرؑ کی اولاد پر پانی بند کیا جا رہا ہے۔

شمر ذی الجوشن ابھی ابھی عمرو بن سعد کے نام ابنِ زیاد کا ایک خط لے کر پہنچا ہے، جس میں اسے تنبیہ کی گئی ہے کہ "جنگ سے پہلو تہی نہ کرو۔ اور حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کو مہلت مت دو۔ اگر وہ میرے حکم پر صلح قبول کر لیں تو یہاں زندہ و سلامت لے آؤ ورنہ ان سے جنگ کرو۔ انہیں قتل کرو، مُثلہ کرو اور پھر ان کی لاشوں پر گھوڑے دوڑا کر روند ڈالو۔"

شمر اِس حکم نامے کے ساتھ ساتھ ابنِ زیاد کا امان نامہ بھی لایا ہے۔ امامِ عالی مقام یا ان کے اہلِ بیت کے لیے نہیں، اپنے پھوپھی زاد بھائیوں کے لیے۔ اس کا خیال ہے کہ اس کی پھوپھی ام البنین بنت حزام جو حضرت علی المرتضیٰؓ کی زوجیت میں تھیں کے صاحبزادے اسلام اور خون کے رشتے کو چھوڑ کر اس کے ساتھ مل جائیں گے۔

اس نے یہ امان نامہ عباس بن علیؑ، عبداللہ بن علیؑ، جعفر بن علیؑ اور عثمان بن علیؑ کے پاس بھیجا۔ تو ان چاروں بزرگوں نے اسے حقارت سے ٹھکرا دیا اور فرمایا "افسوس ہے تم پر... کہ ہمیں تو امان دیتے ہو لیکن فرزندِ رسولؐ کے لیے امان نہیں ہے۔ ہمارے لیے اللہ کی امان تمہاری امان سے بہتر ہے۔ ہم تجھ پر اور تیری امان پر لعنت بھیجتے ہیں۔"

حضرت امامؑ نے اپنے ایسے ہی وفا شعار عزیزوں، بھائیوں اور ساتھیوں کے متعلق فرمایا تھا..... کہ "آج کسی شخص کے ساتھی ایسے وفا شعار اور نیکوکار نہیں ہیں، جیسے میرے ساتھی۔ اور نہ کسی کے اہلِ بیت میرے اہلِ بیت سے زیادہ ثابت قدم نظر آتے ہیں۔"

ادھر امامِ عالی مقامؑ نے بھی ابنِ زیاد کے پیغام کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا ہے.... کہ "اِس ذلت سے موت بہتر ہے!"

شمر غصے سے پاگل ہوا جا رہا ہے۔ چاہتا ہے ابھی آپؑ اور آپ کے ساتھیوں پر پل پڑے۔ سخت امتحان کا وقت آ پہنچا ہے۔ حسینؑ پوری طرح مطمئن ہیں کیونکہ آج ہی نانا حضورؐ خواب میں مل کر انہیں بشارت دے گئے ہیں کہ تم اب بہت جلد ہمارے پاس آنے والے ہو۔ اب اگر کوئی خیال آپ کو بے چین کر رہا ہے تو اپنے ساتھیوں کا۔ اپنے اہلِ بیت کا ہے۔ ان معصوم بچوں کا۔ ان عفت مآب بیبیوں کا۔ آپ دشمن کی اخلاقی پستی سے خوب آگاہ ہیں اور اس کا قوی امکان ہے کہ وہ ان کو آپ کی قرابت کے سبب بے آبرو کرنے کی کوشش کرے گا۔ اسی لیے آپ نے اپنے سارے اصحاب کو جمع فرما لیا۔ سنیئے آپ ان سے ارشاد فرما رہے ہیں :

"میں اللہ کی حمد و ستائش کے بعد اس کا شکر بجا لاتا ہوں کہ اس نے
ہمیں نبوت کے شرف سے مشرف کیا۔ ہمیں قرآن سکھایا۔ دین

میں فہم و شعور بخشا، حق سننے والے کان، حق بیں آنکھیں اور حق شناس دل دئے اور ہمیں مشرکوں میں نہیں بنایا۔"

"امابعد ..... میرے علم میں آج کسی شخص کے ساتھی ایسے وفا شعار اور نیکو کار نہیں ہیں جیسے کہ میرے ساتھی۔ اور نہ ہی کسی کے اہلِ بیت میرے اہلِ بیت سے زیادہ ثابت قدم نیک اور وفا شعار ہیں۔ تم سب کو اللہ تعالیٰ میری طرف سے جزائے خیر دے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کل کا دن میرے اور ان کے درمیان فیصلہ کن ہو گا۔ میں نے تمہارا اخلاص دیکھ لیا۔ اب میں تم کو اجازت دیتا ہوں کہ تم سب کسی امن کی جگہ چلے جاؤ۔ میرا تم پر کوئی عہد باقی نہیں۔ رات کی تاریکی چھا چکی ہے۔ اسے غنیمت جانو اور تم میں سے ہر شخص میرے اہلِ بیت میں سے ایک شخص کا ہاتھ تھام لے اور اپنی اپنی آبادیوں اور شہروں میں پھیل جاؤ۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کشائش فرمادے۔ دشمن صرف میرا طلب گار ہے۔ جب وہ مجھے پالیں گے تو پھر وہ کسی اور سے تعرض نہ کریں گے !"

حضرت امامِ عالی مقام تقریر فرمار ہے ہیں اور حاضرین کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے ہیں۔ ان کے تمتمائے چہرے بتا رہے ہیں کہ ان کے سینوں میں ایک لاوا ہے، جو ابھی پھٹ پڑے گا۔ اہلِ بیت کا ایک ایک فرد بے چینی سے کروٹیں بدل رہا ہے۔ وفا شعار ساتھی جیسے انگاروں پہ لوٹ رہے ہیں۔ آپؑ کی تقریر ختم ہوتے ہی یک زبان بول اٹھے....

"اے ہمارے آقا! یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کو دشمنوں کے نرغہ میں چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ لوگ کیا کہیں گے، کہ ہم نے اپنے سردار کے ساتھ نہ کوئی تیر پھینکا۔ نہ نیزہ مارا نہ تلوار چلائی.... نہیں، اللہ کی قسم یہ ہرگز نہ ہوگا۔ ہم تو آپ پر اپنی جان و مال اور آل و اولاد سب کچھ قربان کر دیں گے۔ آپ کے بعد خدا ہمیں زندہ نہ رکھے۔"

نو، اور دس محرم کی درمیانی رات اپنی سیاہ زلفیں بکھیر چکی ہے۔ صحرائے کربلا پر دسویں رات کے چاند کی اداس کرنیں کہہ رہی ہیں کہ اے کربلا کی سرزمین! تیری پشت پر اس مقدس قافلے کی یہ آخری رات ہے۔ کل یہ پیاسا قافلہ لٹ جائے گا۔ اس کے شہیدوں کا خون تیرے خشک ذروں کے ہونٹوں کو سیراب کر دے گا۔ آج کی رات اِن مہمانوں کے ساتھ مروت کے ساتھ گذار دے۔ ان خیموں میں ہونے والی ایک ایک بات کو اپنے سینے میں محفوظ کر لے۔ سہمے ہوئے پیاسے بچوں کی آہ و بکا کو اپنے دامنِ دل میں جگہ دیدے۔ عفت مآب بیبیوں کے پیروں کے نقوش اپنی چھاتی میں چھپالے۔ وہ دیکھ .... حسینؑ کا دلبند عابدؑ اپنے خیمے میں پڑا کراہ رہا ہے۔ زہرائے ثانی زینبؑ اس کی تیمارداری میں مصروف ہے.... لیکن دیکھ تو .... عابدؑ بے چین کیوں ہو اٹھا ہے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو کیوں تیر گئے ہیں۔ باوجود ضبط کے یہ زینبؑ کی سسکیاں چیخوں میں کیوں بدل گئی ہیں۔ کس بات نے اس صابرہ کے ہاتھ سے دامنِ صبر کھینچ لیا ہے۔ سنو.... اور اسے اپنے سینے میں محفوظ کر لو کہ ساتھ والے خیمے سے زینبؑ کے بھائی۔ فاطمہؑ کے لختِ جگر، عابدؑ بیمار کے بابا حسینؑ کی آواز آرہی ہے۔

"اے زمانے تیرا برا ہو۔ تو کیسا بے وفا دوست ہے۔ صبح و شام تیرے.... ہاتھوں سے کتنے مارے جاتے ہیں۔ تو کسی کی رعایت نہیں کرتا۔ کسی سے عوض قبول نہیں کرتا اور سارا معاملہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ ہر زندہ موت کی راہ پر چلا جا رہا ہے!"

ان اشعار نے بہن کو مضطرب کر دیا ہے۔ آنے والے دن کی ہولناکیوں کے تصور سے اس کا ضبط چیخوں اور سسکیوں میں ڈھل گیا ہے۔ دیکھئے حسینؓ اپنی عفیفہ بہن کی ڈھارس بندھانے آرہے ہیں۔ اور فرما رہے ہیں

"بہن خدا سے ڈرو۔ اس کی حمد و ستائش سے اطمینان حاصل کرو۔ موت دنیا میں ہر زندگی کے لیے ہے۔ آسمان والے بھی ہمیشہ زندہ نہ رہیں گے۔ ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ پھر موت کے خیال سے اس قدر رنج اور بے قراری کیوں؟ اے بہن دیکھ! ہمارے لیے اور ہر مسلمان کے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی اسوۂ حسنہ ہے۔ یہ نمونہ ہمیں سکھاتا ہے کہ ہمیں ہر حالت میں صبر و ثبات اور توکل و رضا پر کاربند رہنا چاہیے۔ اور چاہیے کہ ہم کسی حال میں بھی اس سے منحرف نہ ہوں۔"

ان الفاظ نے زخمی دلوں پر مرہم کا کام دیا۔ دل کو ایک سکون ملا۔ بہتے آنسو رک گئے۔ سسکیوں میں ٹھہراؤ پیدا ہو گیا۔ خاندانِ رسالت کا یہی طرۂ امتیاز ہے۔

دسویں محرم کا سورج طلوع ہو چکا ہے۔ لشکرِ اعداء کے سرکش گھوڑے اپنے سُموں سے خاک اڑا رہے ہیں۔ ان کی ہنہناہٹ میں کانوں پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔

سارا میدانِ کارزار سپاہیوں سے بھرا پڑا ہے جیسے اسے مقابل میں کسی لشکرِ جرار کے آنے کی توقع ہو۔ اپنی بے پناہ قوت و کثرت کے باوجود ان کے چہرے اترے ہوئے ہیں۔ ان پر ایک انجانا سا خوف چھایا ہوا ہے۔ آنکھیں ویران ویران سی نظر آتی ہیں.... ایسا کیوں ہے ؟ ان کے چہروں پر تو اطمینان اور مسرت کی جھلک ہونی چاہیے۔ لشکرِ حسینؑ کی اس عظیم لشکر کے سامنے حیثیت ہی کیا ہے۔ پھر یہ ہراساں ہراساں سے کیوں ہیں ؟ بات سمجھ میں آسکتی ہے..... یہ سارے لوگ وہ ہیں جو لا الہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کا اقرار بھی کرتے ہیں اور آج ان کے سامنے محمد رسولؐ اللہ ہی کا گھرانہ ہے۔ جو شکل و شمائل اور اسوۂ حسنہ میں رسول اللہؐ کی سیرت کی تفسیر ہے۔ اور پھر ان میں وہ لوگ بھی موجود ہیں جنہوں نے امامِ عالی مقام کو خصوصی دعوت دے کر بلایا تھا۔ ان بزدلوں نے دنیاوی مفادات کے عوض اپنے ضمیر اور اپنی روح کو بیچ ڈالا ہے۔ ان کی وہی بزدلی وہی منافقت ان کے چہروں پر برس رہی ہے۔ ضمیر کے بوجھ اور روح کی ملامت نے ان کے چہرے بے رونق بنا دیے ہیں۔ ان کی نگاہوں سے وحشت برس رہی ہے۔

فضا آج جتنی اداس اور مغموم ہے، اتنی کبھی پہلے نہ تھی۔ سورج کی رنگت پھیکی پھیکی سی ہے۔ ہوائیں افسردہ سی ہیں۔ فرات کا پانی بے قراری سے اچھل اچھل کر کربلا کے اس میدان کو دیکھ رہا ہے۔ جو عنقریب خاندانِ رسالت کا مقتل بن جائے گا۔ خیمہ گاہِ امام میں ایک پُراسرار خاموشی ہے۔ سہمے ہوئے بچوں اور عفیف بیبیوں کے تصور میں بھی نہ تھا جو ابھی ان کو پیش آنے والا ہے۔ انہیں یہ توقع بھی نہ تھی کہ ان کے نانؐا کے نام لیوا خاندانِ رسالت کے اِس گلشن کو یوں لوٹنے کے درپے ہو جائیں گے۔

امامِ عالی مقام نے بھی اپنی مختصر سی سپاہ کو ترتیب دے لیا ہے۔ دیکھئے حسینؑ تیزی سے خیمہ گاہ کی طرف پلٹے۔ خیموں سے آنے والے دلدوز نالوں نے آپ کو بے چین کر دیا ہے۔ صبر و رضا کے مظہر، ایثار و توکل کے پیکر کو یہ ادا پسند نہیں آئی۔ اسی لیے تو فرما رہے ہیں۔

"میری بہن! میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ میری شہادت پر تم نہ کپڑے پھاڑنا، نہ بال نوچنا۔ نہ بَین کرنا اور نہ سینہ کوبی کرنا۔ اور دیکھو .... صبر و استقامت کا دامن کسی حال میں ہاتھ سے نہ جائے"

دیکھئے حسینؑ نے اسلامی اقدار کو کس معراج پر پہنچا دیا ہے۔ روحانی اور اخلاقی قدروں میں سبطِ پیمبرؐ نے کتنا حسین اور دلکش رنگ بھر دیا ہے۔ میدانِ کرب وبلا مقتل کی صورت میں نظر آرہا ہے لیکن فریضۂ رشد وہدایت کا یہ عالم کہ اہلِ بیت کو صبر و ثبات کا درس دیا جارہا ہے۔

لیجئے! دشمن اب بہت قریب آگیا ہے۔ حسین اپنے ناقہ پر سوار آگے بڑھے۔ سامنے قرآن رکھا ہے۔ چاہتے ہیں اتمامِ حجت ہو جائے۔ اس لیے سپاہِ یزید کو خطاب فرما رہے ہیں:

"لوگو! میرا حسب نسب یاد رکھو۔ سوچو میں کون ہوں! پھر اپنے گریبانوں میں منہ ڈالو اور اپنے ضمیر کا محاسبہ کرو۔ خوب غور کرو۔ کیا تمہارے لیے میرا قتل کرنا جائز ہے؟ میری حرمت کا رشتہ توڑنا روا ہے؟ کیا میں تمہارے نبی ﷺ کی بیٹی رضؓ کا بیٹا اور اس کے

عم زاد کا فرزند نہیں ہوں؟ کیا سید الشہدا حمزہؓ میرے باپؓ کے چچا نہیں تھے؟ کیا ذوالجناحین جعفر الطیارؓ میرے چچا نہیں ہیں؟ کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کا یہ مشہور قول نہیں سنا کہ آپ ﷺ نے میرے اور میرے بھائی کے حق میں فرمایا ہے:

"سید شباب اهل الجنة"

(جنت میں نوجوانوں کے سردار)

اگر میرا یہ بیان سچا ہے اور ضرور سچا ہے کیونکہ واللہ میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولا، تو بتلاؤ! کیا تمہیں برہنہ تلواروں سے میرا استقبال کرنا چاہیے؟ اگر تم میری بات کا یقین نہیں کرتے، تو ہم میں سے ایسے لوگ موجود ہیں، جن سے میری بات کی تصدیق کر سکتے ہو۔ جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے پوچھو۔ ابو سعید خدریؓ سے پوچھو۔ سہل بن سعد ساعدیؓ سے پوچھو۔ زید بن ارقمؓ سے پوچھو۔ انسؓ بن مالک سے پوچھو۔ وہ تمہیں بتائیں گے کہ انہوں نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے یا نہیں؟ کیا یہ بات بھی تمہیں میرا خون بہانے سے نہیں روک سکتی؟ واللہ! اس وقت رُوئے زمین پر بجز میرے کسی نبی کی بیٹی کا بیٹا موجود نہیں۔ میں تمہارے نبی ﷺ کا بلاواسطہ نواسہ ہوں... مجھے تم کس لیے ہلاک کرنا چاہتے ہو؟ کیا میں نے کسی کی جان لی ہے؟ کسی کا خون بہایا

ہے ؟ کسی کا مال چھینا ہے ؟ کہو کیا بات ہے ؟ آخر میرا قصور کیا ہے ؟ بولو! جواب دو! بولتے کیوں نہیں ؟ اے شیث بن ربعی۔ اے حجاز بن الجبر، اے قیس بن الاشعث ، اے یزید بن الحارث ! کیا تمہی نے مجھے نہیں لکھا تھا کہ .... پھل پک گئے۔ زمین سرسبز ہو گئی۔ نہریں ابل پڑیں۔ اگر آپ آئیں گے تو اپنی ایک جرّار فوج کے پاس آئیں گے۔ جلد آیئے !"

لیکن ان بزدلوں کی ڈھٹائی دیکھئے کہ صاف جھوٹ بول رہے ہیں۔ کہہ رہے ہیں .... ہم نے ہرگز آپ کو یہ خط نہیں لکھے .... آہ! یہ کیسے لوگ ہیں، جن کو نہ اپنی بات کا پاس ہے نہ عہد کا احساس۔ نہ اللہ کا خوف ہے نہ اللہ کے رسول ﷺ سے حیا۔ ان کے نواسوں اور عزیزوں کے ساتھ یہ سلوک۔ کیا اس کے بعد بھی یہ لوگ امیدِ شفاعت رکھ سکتے ہیں ؟...... اسے کہتے ہیں دین اور دنیا سے محرومی !

لیجئے زہیر بن القینؓ نے اپنا گھوڑا بڑھایا ہے۔ ذرا ان کے جذبات بھی سنتے جایئے۔ گروہِ اشقیا سے فرما رہے ہیں :

"اے اہلِ کوفہ ! عذابِ الٰہی سے ڈرو! ہر مسلمان پر اپنے بھائی کو نصیحت کرنا فرض ہے۔ دیکھو ..... اس وقت تک ہم باہم بھائی بھائی ہیں۔ ایک ہی دین ، ایک ہی طریقے پر قائم ہیں۔ جب تک تلواریں نیام سے نہیں نکلتیں، تم ہماری نصیحت اور خیر خواہی کے ہر طرح سے حقدار ہو۔ لیکن تلوار کے درمیان میں آتے ہی باہمی حرمتیں ٹوٹ جائیں گی۔ ہم اور تم دو الگ الگ گروہ ہو جائیں گے۔

دیکھو! اللہ نے ہمارا اور تمہارا اپنے نبیؐ کی اولاد کے بارے میں امتحان لینا چاہا ہے۔ ہم تمہیں اہلِ بیت کی نصرت کی طرف بلاتے ہیں اور سرکش عبید اللہ ابن زیاد کی مخالفت پر دعوت دیتے ہیں۔ یقین کرو، اِن حاکموں سے کبھی تمہیں بھلائی حاصل نہ ہو گی۔ یہ تمہاری آنکھیں پھوڑیں گے۔ تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے۔ تمہارے چہرے بگاڑیں گے۔ تمہیں درختوں کے تنوں پر پھانسی دیں گے اور نیک انسانوں کو چن چن کر قتل کریں گے..... بلکہ اگر تم دیکھو، تو وہ یہ سب کچھ کر بھی چکے ہیں۔ ابن حجر بن عدی اور ہانی بن عروہ وغیرہ کے واقعات ابھی اتنے پرانے نہیں ہوئے کہ تمہیں یاد نہ رہے ہوں۔"

لیکن کوفیوں کا جواب تھا .... کہ بخدا ہم اس وقت تک نہ ٹلیں گے، جب تک حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کو قتل نہ کرلیں یا انہیں اپنے امیر کے روبرو حاضر نہ کردیں۔

زہیر بن القینؓ بولے .... خیر اگر فاطمہؓ بنتِ رسولؐ کا بیٹا سمیہ کے چھوکرے ابنِ زیاد سے کہیں زیادہ حمایت و نصرت کا مستحق نہیں، تو کم از کم اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا تو پاس کرو کہ اسے قتل نہ کرو۔ اسے اور اس کے چچازاد یزید بن معاویہ کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ تاکہ وہ آپس کا معاملہ خود طے کرلیں۔ واللہ یزید کو خوش کرنے کے لیے میرے خیال میں یہ ضروری نہیں کہ تم ابنِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون بہاؤ۔"

لیکن شمر نے اس کے جواب میں اُن پر تیر پھینکا ہے اور وہ واپس آگئے ہیں۔

لیکن یہ کیا؟ .... یہ کون ہے؟ لشکرِ اعدا سے گھوڑا دوڑائے امام کی طرف

تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ یہ کیا چاہتا ہے ؟اس کے انداز سے معلوم ہوتا ہے، کسی خاص مشن پر آرہا ہے۔ کیا یہ جنگ چاہتا ہے ؟کیا کوئی پیغام پہنچانا چاہتا ہے۔ سب کی نگاہیں اس آنے والے کی طرف ہیں۔بلکہ دشمن کی طرف سے بھی اس کی جانب اشاروں میں سرگوشیاں ہورہی ہیں۔ چہرہ خَود میں ڈھکا ہوا ہے۔ اس لیے شناخت نہیں ہو سکتی۔ گھوڑے پر اس کی گرفت تو دیکھو کتنی مضبوط ہے۔رُخ سیدھا امامؑ کی جانب ہے۔ قریب پہنچ کر گھوڑے سے کود پڑا ہے اور زانوئے امام پر جھک گیا ہے۔ آنکھوں سے آنسو چھلکے جارہے ہیں لیکن تو کون ہے ؟امامِ عالی مقام نے پوچھا۔

اے فرزندِ رسولؐ .... میں وہ بدبخت انسان ہوں، جس نے آپ کو واپس جانے سے روکا۔ راستہ بھر آپ کا پیچھا کیا اور اِس بے آب وگیاہ میدان میں اترنے پر مجبور کیا۔ خدا کی قسم! میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ لوگ آپ کے معاملے میں یہاں تک پہنچ جائیں گے۔واللہ اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ وہ آپ سے یہ برتاؤ کریں گے تو میں اِس حرکت کا ارتکاب کبھی نہ کرتا۔ میں اپنے جرم پر نادم ہوں۔ توبہ کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ آپ کے قدموں میں قتل ہونا چاہتا ہوں۔ کیا میری یہ توبہ میرے جرم کی تلافی کے لیے کافی ہوگی ؟

آپ نے شفقت سے فرمایا .... ہاں! اللہ تیری توبہ قبول فرمائے۔ تجھے معاف کرے، اور بخش دے! تیرا نام کیا ہے ؟ عرض کیا "حُربن یزید التمیمی!" فرمایا تو تُو حر (آزاد) ہی ہے جیسا تیری ماں نے تیرا نام رکھ دیا ہے۔ انشاء اللہ دنیا وآخرت میں تُو حر ہی ہے۔

اور پھر حُرؒ .... جو تھوڑی دیر پہلے جہنم کے دہانے پر کھڑا تھا، آنِ واحد میں

جنت کے سبزہ زاروں میں پہنچ گیا ہے۔ اس کی آنکھوں سے بہنے والے ندامت کے آنسوؤں نے جہنم کے بھڑکتے لپکتے شعلوں کو سرد کر دیا ہے۔ اللہ کی رحمت نے بے محابا اسے اپنی آغوش میں بھینچ لیا ہے۔ حُر کو تسکین قلبی مل گئی ہے۔ اب وہ ایک نئی زندگی، باسعادت زندگی کا حامل ہے۔ ایمان کے سب خشک سوتے ابل پڑے ہیں۔ اہلِ کوفہ سے آپ کا خطاب آپ کے جذبۂ ایمانی کا مظہر ہے۔

سنئے، فرما رہے ہیں :

> "اے اہلِ کوفہ ! تم ہلاک ہو جاؤ۔ کیا تم نے ان کو اس لیے بلایا تھا کہ وہ آجائیں، اور تم ان کو قتل کر دو ؟ تم نے انہیں کہا تھا کہ ہم اپنی جان و مال آپ پر قربان کر دیں گے۔ اور اب تم ہی ان کے قتل کے درپے ہو۔ ان کو اب اس چیز کی اجازت بھی نہیں دیتے کہ خدا کی طویل و عریض زمین میں کہیں چلے جائیں جہاں ان کو اور ان کے اہلِ بیت کو امن مل سکے۔ ان کو تم نے قیدیوں کی مثل بنا لیا ہے۔ دریائے فرات کا بہنے والا پانی، جسے یہودی، نصرانی، مجوسی سب پیتے ہیں، جس میں اس علاقے کے خنزیر لوٹتے ہیں، تم نے ان پر بند کر دیا ہے۔ حسینؓ اور ان کے اہلِ بیت پیاس سے بے حال ہو رہے ہیں۔ تم نے محمد ﷺ کے بعد ان کے اہلِ بیت کے بارے میں نہایت شرمناک سلوک کیا ہے۔ اب بھی وقت ہے، توبہ کرو۔ اور اگر توبہ نہ کرو، اور اپنی اس حرکت سے باز نہ آؤ، تو اللہ تعالیٰ تم کو روزِ قیامت پیاسا رکھے !"

اور پھر لشکرِ اعداء کی طرف سے سنسناتے ہوئے تیر آئے۔

اعلانِ جنگ ہو گیا۔ ابنِ سعد نے تیر پھینکا اور کہا لوگو! گواہ رہنا سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہے۔ اس بد بخت کو ابنِ زیاد کے الفاظ یاد آرہے تھے کہ قتلِ حسینؑ کے عوض تم بیش بہا انعام پاؤ گے ..... حُرؓ نے دین کے لیے دنیا چھوڑ دی۔ زندگی قربان کر دی لیکن بد نصیب ابنِ سعد نے اسی دنیا پر اپنا دین قربان کر دیا....

ببیں تفاوتِ راہ از کجا ست تابہ کجا۔

حق و باطل کا یہ معرکہ کتنا حیرت انگیز، خوفناک اور عبرت آموز تھا۔ انفرادی جنگ میں حسینؑ کے ساتھیوں کو فتحمند دیکھا تو میمنہ کا سردار عمرو بن الحجاج بوکھلا گیا اور عام حملے کا حکم دے دیا۔ حسینی لشکر کے مٹھی بھر جانباز کڑکتی بجلیاں بن کر دشمن پر ٹوٹ ٹوٹ پڑتے تھے۔ تلواروں سے تلواریں اور نیزوں سے نیزے ٹکرانے لگے۔ کشت و خون کا بازار گرم ہو گیا۔ انسانی اعضا کٹ کر گرنے لگے، خون کے چھینٹوں نے زمینِ کربلا کو لالہ زار بنا دیا تھا۔ ذرا حُرؓ کو تو دیکھئے۔ اس کا گھوڑا تیروں سے چھلنی ہو گیا تھا۔ اس لیے پا پیادہ ہیں۔ تلوار ہاتھ میں ہے۔ دشمن پر بڑھ بڑھ کر وار کر رہے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے شیر اپنے شکار پر جھپٹ رہا ہے۔ اس کی تلوار بجلی کی طرح تڑپتی نظر آتی ہے۔ ہونٹوں پر رجزیہ اشعار ہیں۔

"اگر میرا گھوڑا تم نے بیکار کر دیا تو کیا ہوا.... میں ایک شریف باپ
کا بیٹا ہوں اور خوفناک شیر سے بھی زیادہ بہادر ہوں۔"

دوپہر تک فتح و شکست کے کسی بھی طرح آثار نظر نہیں آئے، تو دشمن نے حسینی خیموں میں آگ لگا دی ہے لیکن امام کی فراست نے اُن کے اِس حربے کو ناکام بنا دیا

اور ساتھیوں کی توجہ اس طرف بٹنے نہیں دی۔ ظہر کا وقت ہو چکا ہے لیکن نماز کی مہلت نہیں دی جاتی۔ جنگ بدستور جاری ہے۔ حسینؓ کے ساتھی ایک ایک کر کے شہید ہوئے جا رہے ہیں۔ اب جنگ کی شدت قدرے کم ہوئی ہے۔ گرد کے بادل قدرے چھٹ چکے ہیں۔ آیئے معلوم کریں کس کس جانباز نے جامِ شہادت نوش فرمایا ہے۔ کون کون حقِ رفاقت سے سُرخرو ہو چکا ہے۔ یہ دیکھو، حسینی فوج کا نامور بہادر مسلم بن عوسجہ خون میں نہایا پڑا ہے۔ ادھر زہیر بن القینؓ، بریرؓ بن حصین، عبداللہؓ بن عمیر الکلبی، ابو تمامہؓ، عمروؓ بن عبداللہ صامدی، حبیبؓ بن مظاہر، حنظلہؓ بن اسعد کے لاشے بکھرے پڑے ہیں۔ وہ دیکھئے حرؓ بن یزید کا لاشہ ایک عجیب عظمت کا اظہار کر رہا ہے..... یہ سب وفا شعار شہیدانِ حریت اپنے حقِ رفاقت سے سبکدوش ہو چکے اور اب کوفی فوجوں کے سامنے صرف..... بنی ہاشم اور خاندانِ رسالت ہی رہ گیا ہے۔

اے آسمان کی گردشو! رک جاؤ..... تم نے اسلام کی رگِ حیات کا گرم گرم خون کافی چوس لیا ہے۔ اب رک جاؤ۔ ہاتھ آگے مت بڑھاؤ۔ آگے خاندانِ رسالت ہے۔ اس کے تقدس کا پاس کرو۔ افلاک کے نیچے اِس کنبہ سے بڑھ کر آج کوئی بھی اتنا مقدس نہیں۔ اگر غور سے دیکھو گے تو ان افراد کے اندر تمہیں اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری تفسیر مل جائے گی۔ صورت میں بھی اور سیرت میں بھی۔ اے اہلِ کوفہ! اپنے گستاخ ہاتھوں کو روک لو۔ اگر تم نے ان پر ہاتھ اٹھایا تو پھر قیامت تک بھٹکتے رہو گے۔ مر کر بھی تمہیں چین نصیب نہ ہو گا۔ یہ تمہارے سامنے شبیہِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم علی اکبر ہیں۔ شکل، آواز، انداز ہو بہو اپنے بابا ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وسلم کی پائی ہے۔ دیکھو، کہیں اس کے جسمِ اطہر کو تیر یا تلوار سے گھائل کرنے کی جسارت نہ کر بیٹھنا۔ ورنہ اللہ کے غضب سے

تمہیں کوئی نہ بچا سکے گا۔ یاد رکھو! خاندانِ رسالت کے ایک ایک فرد کا خون اللہ کو بہت عزیز ہے۔ اگر تم نے اللہ کے غضب کو بھڑکا دیا تو تختۂ زمین تمہارے لیے تنگ ہو جائے گا۔ اپنے گستاخ ہاتھوں کو روک لو۔

لیکن یہ کیا ہوا..... آہ شہزادہ علی اکبرؑ پر کس نے نیزہ پھینکا کہ جسمِ اطہر میں ترازو ہو گیا ہے۔ وہ دیکھو شہزادۂ کونین کے نورِ عین تیورا کر گر پڑے۔ آہ! سفاک، تو نے یہ کیا کر دیا۔ سرورِ دوجہاں کی تصویر کو خاک و خون میں لوٹا دیا، ہمشکلِ پیمبر کو زمین پر تڑپا دیا۔ تقدس کی دیوار منہدم ہو گئی۔ حرمت کا رشتہ ٹوٹ گیا۔ تعلقِ خاطر جاتا رہا۔

آہ حسینؑ! نبی ﷺ کے نورِ نظر حسینؑ! تیرے جوان بیٹے کو میدانِ وغا میں کاٹ ڈالا گیا۔ دیکھ مرہ بن منقذ لعین کا نیزہ کس طرح تیرے لختِ جگر کے سینہ میں پار نکل چکا ہے ..... تیرے نانا ﷺ کا ہمشکل، تیرا جوان علی اکبرؑ گھوڑے سے گر پڑا ہے۔ آیۂ محمد ﷺ زمین پر گرا دی گئی ہے۔ بڑھ کر اسے تھام لے۔ شیطان صفت دشمن کہیں اس کے لاشے کو مسخ نہ کر دیں۔ انہوں نے آج انسانیت کی تمام حدیں توڑ ڈالی ہیں اور اب ان درندوں سے یہ کچھ بھی بعید نہیں۔

اے زہرائے ثانیؑ اے خاتونِ جنت کی نشانیؑ! اے عفیفہ محترم! بھتیجے کی ہلاکت پہ تیری یہ تڑپ ناقابلِ فہم نہیں.... لیکن یہ تو صبر کا مقام ہے۔ تیرے امتحان کا مقام.. اس ایک زخم کے بعد ابھی تیرے لیے بہت سے چرکے ہیں، بہت سے صدمے ہیں۔ اور پھر تجھ کو اس قافلے کے پسماندگان کی امارت کا فریضہ بھی تو انجام دینا ہے۔ دیکھ تیرا بھائی حسینؑ کس حوصلے اور پامردی سے جوان بیٹے کا لاشہ کندھے پر ڈالے آرہا ہے۔ گنجِ شہیداں کو آراستہ کر، کہ یہاں تیرے بھائی، تیرے بھتیجے آرام

فرمائیں گے۔ دیکھ، فاطمہ اور سکینہ، تیری بھتیجیاں.... بھائی کے لاشے پر نوحہ کر رہی ہیں۔ ان کے دلدوز نالوں سے آسمان پھٹا جا رہا ہے۔ انہیں گلے سے لگا کر پیار دے، حوصلہ بڑھا....غم کی یہ رات بہت طویل ہے۔

وہ دیکھ آلِ عقیل کے خون کے چھینٹے فضا میں اڑنے لگے۔ میدانِ کارزار لالہ زار بنا جا رہا ہے۔ کس جرأت و پامردی سے چوٹ پر چوٹ سہہ رہے ہیں۔ وہ دیکھو عبداللہ بن مسلم کی طرف سنسناتا ہوا تیر آیا۔ کمسن عبداللہ آداب جنگ کیا جانے، گھبراہٹ میں ہاتھ سے پیشانی کو ڈھانپا کہ تیر نے ہاتھ کو پیشانی سے پیوست کر دیا۔ دوسرے تیر نے چھاتی چھید ڈالی۔ ننھا مظلوم زمین پہ پڑا تڑپ رہا ہے، آہ! محمد بن مسلم بھی شہید ہو گئے۔ جعفرؓ بن عقیل اور عبدالرحمٰنؓ بن عقیل بھی خون میں نہا گئے۔ محمدؓ بن ابی سعید بن عقیل کی پیشانی پر یاسر جہنمی کے بدبخت بیٹے یقیط نے تیر مارا ہے اور وہ شہید ہو گئے ہیں۔ یہ سب گنجِ شہیداں کی زینت بن چکے ہیں۔ اور اب آلِ ابو طالب آلِ نبیؐ کی ڈھال بن کر اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ خیموں کی اوٹ سے دیکھو، گلستانِ ہاشمی کے کیسے کیسے پھول کٹ کٹ کر گر رہے ہیں۔ عبداللہ بن جعفرؓ کے لال عون اور محمد اپنی کمسنی کے باوجود تلواریں حمائل کر کے نکلے ہیں۔

اے زینبؓ! اے بنتِ فاطمہؓ و علیؓ! تو نے اپنی خاندانی شرافت و وجاہت کا خوب مظاہرہ کیا۔ کمسن بچوں کو اپنے ہاتھوں مسلح کر کے اس میدان میں جھونک دیا ہے، جس میں ہر طرف موت کا بھوت ناچ رہا ہے۔ تیرا یہ عزم و حوصلہ رہتی دنیا تک مثال بنا رہے گا۔

لیکن یہ کون ہے، جو عجیب شانِ بے نیازی سے میدانِ کارزار کی جانب بڑھ رہا

ہے۔نہ جسم پر زرہ ہے نہ سر پر خَود۔احرام نما پیراہن اور ٹوٹے تسمے کا جوتا پہنے نصرتِ امام کے لیے آنے والا یہ ہے کون؟ عمر اگرچہ چھوٹی ہے، لیکن حوصلہ بہت بلند نظر آتا ہے۔ چہرہ تو دیکھو، جیسے تاریکیوں میں چاند نکل آیا ہو، کون بد بخت ہو گا، جو اس حسین مکھڑے اور ترشے بدن کو خاک و خون میں لوٹانے کا حوصلہ کرے گا؟... مگر آہ! عمر بن سعد بن نفیل نے ازدی قبیلے کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگادیا۔ اپنے اب وجد کو رسوا کر دیا۔ ارے یہ تو شہزادہ حسنؑ کا نورِ نظر تھا۔ حسینؑ کا برادر زادہ قاسمؑ.... جن کے سر پر تُو نے تلوار مار دی۔ آہ قاسم منہ کے بل گر پڑا۔ ہائے چچا کہا... اور زمین پر لوٹنے لگا۔

دیکھو حسینؑ غضبناک شیر کی طرح بجلی کی سی تیزی سے بھتیجے کے سر پر آپہنچے۔ قاتل پر تلوار کا ایک اچٹتا سا ہاتھ مارا اور کہنی سے بازو کاٹ کر دھر دیا .... کمبخت اب ساتھیوں کو مدد کے لیے پکار رہا ہے۔ لیکن جا.... یہی تیرے ساتھی موت کا سامان بنیں گے۔ اور ایسے ہی ہوا۔ وہ اپنے ہی ساتھیوں کے گھوڑوں تلے پامال ہو گیا۔ سیاہ بخت ظالم! ابھی یہ سزا تو جھولی میں ڈال، قیامت کو باقی حساب چکایا جائے گا۔

حسینؑ حسرت واندوہ کی تصویر بنے قاسمؑ کے لاشے کو دیکھ رہے اور فرما رہے ہیں۔

> "ہلاکت ہو ان کے لیے، جنہوں نے تجھے قتل کیا۔ قیامت کے دن یہ تیرے ناناؐ کو کیا جواب دیں گے؟ خدا تیرے چچا کے لیے حسرت کا مقام ہے کہ تُو اسے پکارے اور وہ جواب نہ دے۔ یا جواب دے مگر اس کی آواز تجھے کوئی نفع نہ پہنچا سکے۔ افسوس! تیرے چچا کے دشمن بہت ہو گئے مگر دوست باقی نہ رہے!"

اور واقعی اب دوست کوئی بھی تو زندہ نہ بچا تھا۔ جب تک وہ زندہ رہے، اہلِ بیت کے کسی فرد کو خراش تک نہیں آنے دی۔ وہ سب ایک ایک کر کے شہید ہو چکے ہیں جبھی تو اہلِ بیت پر ان کے ہاتھ پہنچے ہیں۔ پورا گلشن اجڑ گیا۔ پورا گھرانہ لٹ گیا۔ ابو طالب کا گھرانہ۔ رسول اللہ ﷺ کی بیٹی کا گھرانہ۔ خیمے میں اب صرف عابد بیمارؓ ہے یا شیر خوار علی اصغرؓ۔ اور میدانِ وغا میں اکیلے حسینؑ! ساجد بیمار میں اگر چلنے کی ذرا بھی سکت ہوتی، تو میدانِ جنگ میں باپ کے ساتھ ہوتے۔

ظالم درندو۔ سفاک بھیڑیو۔ شیطان صفت انسانو! انسانی شرف کو تم نے یوں پامال کیا ہے کہ تمہاری بربریت اور درندگی رہتی دنیا تک بدی کی تمثیل بن کر زندہ رہے گی۔ تم نے اللہ کے خوف سے منہ موڑ لیا۔ اب ہر آنے والے زمانے کی پھٹکار قیامت تک تمہارا پیچھا کرے گی۔

وہ دیکھو حسین خیمہ گاہ کی جانب آئے۔ سر سے بہنے والا خون بتا رہا ہے کہ کسی شقی اور بدبخت کا وار ہو چکا ہے۔ اپنی ماں جائی زینبؓ سے فرما رہے ہیں۔ بہن میرے بابا حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے ہمارے ذمہ ایک قرض چلا آرہا ہے، زمین کا قرض۔ شاید اب زندگی مزید وفا نہ کرے۔ میرے بیٹے، میرے لختِ جگر علی اصغرؓ کو لاؤ۔ تاکہ اس کے خون سے آلِ اسمٰعیل کا وہ قرض چکا ڈالوں۔ خونِ علی اصغرؓ سے زمین کی پیاس بجھا دوں۔ اس افسانے کی تکمیل کر دوں جسے میرے باپا نے ناتمام چھوڑا تھا۔ خونِ اصغرؓ سے وہ تفصیل لکھ دوں، جس کا اجمال میرے بابا اسماعیل علیہ السلام کا گلا تھا۔ آج اس سے بڑھ کر میرے پاس کوئی قیمتی متاع نہیں رہی، جسے اللہ کے حضور پیش کر سکوں...

اور پھر حسینؑ آگے بڑھے، اپنے لختِ جگر کو گود میں لیا اور مقتل میں آپہنچے....

فرشتوں نے آسمانوں کے دریچے کھول دیے تاکہ آسمانی مخلوق خلیفۃ اللہ فی الارض کی یہ معراج بھی دیکھ لے۔ حورانِ بہشتی معصوم شہزادے کے استقبال کو بڑھیں۔ ان کے ہاتھوں میں جنتی پھولوں کے گجرے اور ہونٹوں پر درود و سلام کے نغمے تھے۔ ملائکہ باپ اور بیٹے کی قربانی کا منظر دیکھنے کے لیے ایک مدت سے منتظر تھے۔ آج وہ منظر آراستہ کیا جا چکا ہے، تو اپنے میں وہ تابِ نظارہ نہیں پا رہے ہیں۔ سراپا اضطراب بنے ہوئے ہیں۔ پھر وہ یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ تسلیم و رضا اور ظلم و جفا کے دو عظیم شاہکار باہم مقابل ہیں۔ ایک طرف حسینؑ اور ان کا معصوم فرزند ہے تو دوسری طرف انسان نما درندے۔ ایک طرف یہ رفعت، دوسری طرف یہ پستی۔ وہ دونوں کا موازنہ کر رہے ہیں۔ حق اور باطل کا ازلی اور ابدی معرکہ آج اپنے پورے عروج پر ہے۔ حق چاہتا ہے عظمت و رفعتِ انسانی کا کوئی مقام، کوئی درجہ ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ جب کہ ظلم و باطل کی یہ خواہش ہے کہ انسانی پستی کا کوئی مقام باقی نہ رہے، جس کو کبھی انسانی تخیل کی پرواز بھی چھو سکے۔

افلاک کے مکین پورے تفکر اور انہماک سے انسانیت کی ان دونوں سرحدوں کو دیکھ رہے تھے کہ اچانک ایک تیر تیرِ قضا بن کر آیا اور معصوم اصغرؑ کے گلے میں پیوست ہو گیا۔ زمین و آسمان لرز اٹھے۔ قدوسیوں میں ایک شورِ غم اٹھا۔ سورج کی شعاعیں ماند پڑ گئیں۔ فضا کا رنگ زرد ہو گیا۔ حسینؑ نے اس کے خون کو چلّو میں بھرا اور زمین کے تپتے ہوئے ہونٹوں میں انڈیل دیا۔ ذرے اس معصوم سرخی سے جگمگا اٹھے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون ط

اب یہ دلدوز کہانی اپنے منطقی انجام کی طرف تیزی سے مائل ہے۔ اپنے نکتۂ عروج پر پہنچنے کے لیے بے تاب ہے۔ اسے ایک اور مقدس سر چاہیے۔ نواسۂ رسولؐ کا سر۔ اسی ایک سر کے لیے توانہوں نے یہ سر دھڑ کی بازی لگائی۔ اسی کے لیے تو جہنم کے دہکتے انگاروں کا عذاب قبول کیا تھا۔ اسی کے لیے تو اپنی آخرت تباہ کی تھی۔ اسی کے لیے تو کئی مقدس سر شانوں سے کاٹ دیے گئے۔ ہاں یہی سر ان کا گوہرِ مقصود تھا۔ اسی پر ان کی توقیر کا انحصار تھا۔ یہی سر اُن کے لیے تقربِ شاہی کا باعث بنے گا۔ اسی کے عوض ان پر شاہی نوازشات کی بارش ہو گی۔ ہاں یہی سر انہیں چاہیے جو عظمتِ آدم کی علامت ہے۔ احیائے دین کا نشان۔ ارتقائے آدمیت کا پشتیبان۔ وہ اسے بہر حال حاصل کرنا چاہتے تھے اور بہت جلد چاہتے تھے چنانچہ لشکرِ اعدا تنہا حسینؑ پر ٹوٹ پڑا۔ شدتِ جنگ اور جھلسا دینے والی گرمی میں تشنہ لب حسینؑ اب بھی پہاڑ کی طرح ثابت قدم تھے۔ مسلسل وار کرتے اور وار سہہ رہے تھے۔ کہ ایک تیر آیا جو آپؑ کے حلق میں پیوست ہو گیا۔ دل کڑا کر کے تیر کھینچا۔ ہاتھ منہ کی طرف اٹھائے تو چلو خون سے بھر گئے۔ وہی خون آسمان کی طرح اچھال دیا اور فرمایا :

"اللہ تیرا شکر ہے۔ الٰہی میرا شکوہ تو تجھی سے ہے۔ دیکھ تیرے رسول ﷺ کے نواسے سے کیا سلوک ہو رہا ہے!"

اور پھر شمر اور اس کے ساتھیوں سے فرمایا .... کہ "اگر تم میں دین نہیں، اور تم روزِ آخرت سے ڈرتے نہیں، تو کم از کم دنیاوی شرافت پر تو قائم رہو۔ میرے اہلِ بیت کے خیموں کو اپنے جاہلوں اور اوباشوں سے محفوظ رکھو!"

زخموں سے چُور امام استقلال کا مجسمہ بنا اب بھی ان سے نبرد آزما تھا کہ ملعون

زرعہ بن شریک تمیمی نے شانے پر تلوار ماری۔ آپ لڑکھڑائے کہ سنان بن انس آگے بڑھا اور نیزہ مار کر آپ کو زمین پر گرا دیا۔ اور پھر اس خیال سے کہ یہ قیمتی سر کوئی اور نہ لے لے، تیزی سے گھوڑے سے اترا۔ تڑپتے ہوئے لاشۂ امام کو ذبح کر کے سر تن سے جدا کر لیا۔ اور سرِ اقدس کو ہاتھ میں اٹھا کر دیوانہ وار رقص کرنے لگا اور چلّانے لگا:

"مجھے سونے چاندی سے لاد دو۔ میں نے بڑا بادشاہ مارا ہے۔ میں نے اُسے قتل کیا ہے، جس کے ماں باپ سب سے افضل ہیں۔ اور اپنے نسب میں سب سے برتر ہے!"

حسینؑ شہید ہو گئے۔ اب ان کا سر برید لاشہ سامنے پڑا ہے۔ لیکن سفاک دشمن کی آگ ابھی سرد نہیں ہوئی۔ جسدِ اطہر سے لباس نوچ رہے ہیں۔ کرتہ، زیر جامہ، ٹوپی، عمامہ، تلوار اور بردِ یمانی ہر چیز لوٹ لی گئی ہے۔ وہ جسدِ اطہر جسے چاند تاروں نے بھی کبھی بے حجاب نہ دیکھا تھا، کربلا کی تپتی ریت پر برہنہ پڑا ہے۔ اس پر گھوڑے دوڑائے جا رہے ہیں۔ کچھ لوگ خیامِ اہلِ بیت میں لوٹ مچائے ہوئے ہیں۔ خاندانِ رسالت کی حرمت و تقدیس کی ایک ایک کر کے دھجیاں فضا میں بکھیر دی گئی ہیں۔ نبیؐ کی بیٹیوں کے سروں سے ردائیں اور کانوں سے بالیاں نوچ لی گئیں۔

آہ اے زمینِ کرب و بلا۔ بڑا کڑا حوصلہ ہے تیرا کہ اتنے عظیم طوفان کو تو اپنی چھاتی پر دیکھ کر خاموش رہی۔ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ ظلم و بربریت کے ان خوفناک مظاہروں کو دیکھا اور تجھ میں زلزلہ نہ آیا۔ بے وفائی اور بہیمیت کے مناظر کا مشاہدہ کیا اور تو شق نہ ہوئی۔ اگر تجھ میں کچھ بھی درد اور وفا ہوتی، تو تُو ان شقی القلب بھیڑیوں کو زندہ نگل لیتی۔ تیری پشت پر جو خونیں ڈرامہ کھیلا گیا، اس کا تقاضا تھا کہ تو کروٹ بدل

کر ان بد بخت انسانوں کی ہڈیاں پیس ڈالتی جنھوں نے شرافت اور انسانیت کو یوں بے آبرو کیا۔ محسنِ انسانیت ﷺ کے اہلِ بیت پر وہ مظلم ڈھائے کہ رہتی دنیا تک وہ ایک مثال رہے گی۔

اے حسینؑ! اے حسینؑ کے اہلِ بیت۔ اے نواسۂ رسولؐ کے باوفا ساتھیو! تمہیں کن الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کروں۔ مجھے وہ الفاظ نہیں ملتے، جن کے ساتھ اپنے جذبات کی ترجمانی کر سکوں۔ تمہارے درجات کی بلندی انسانی فہم وادراک سے وریٰ الوریٰ ہے۔ اسے تو شہپرِ جبریلؑ بھی نہیں چھو سکتا۔ اس کا احاطہ تو صرف ربِ کائنات ہی فرما سکتے ہیں کیونکہ اس کی رحمت کی وسعتوں میں تمہاری روحیں آسودہ حال ہیں۔

اے زہرائے ثانیؑ! میرے قلم میں یہ طاقت نہیں کہ تیرے مصائب کی داستان کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کر سکوں۔ شامِ غریباں سے شروع ہونے والی داستان ہی بیان کروں تو پتھروں کے سینے گداز ہو جائیں۔ تیرے بیٹے، تیرے بھتیجے، تیرے بھائی گنجِ شہیداں میں خون میں نہائے پڑے تھے۔ ان کے لیے نہ کفن تھا نہ قبر۔ کہ اسی حال میں کوفہ کی روانگی کا حکم مل گیا۔ میں کن الفاظ میں اس منظر کی عکاسی کروں۔ جب آخری بار تو نے خداحافظ کہا تھا، تو تیرے دل پر کیا گذری ہو گی۔ دلی جذبات آنسوؤں کی صورت تو اختیار کر سکتے ہیں، الفاظ کے قالب میں نہیں ڈھل سکتے۔ سسکیوں اور آہوں میں تو عرض مدعا ہو سکتا ہے، زبان وبیان میں نہیں آسکتا۔

اور پھر میدانِ جنگ میں جب تیری نظر اپنے پیارے بھائی حسینؑ کے لاشے پر پڑی تھی، تو کون ماں کا لال ہے جو تیرے جذبات کی ترجمانی کا حق ادا کر سکے ....

شہزادۂ کونین کی کُچلی اور مَسلی ہوئی برہنہ لاش، جس کے دھڑ پر وہ سر بھی نہیں، جو کبھی سرورِ کونین ﷺ کی گود کی زینت بنا کرتا تھا۔ جسے آپؐ بوسے دیا کرتے تھے۔ آہ بنتِ فاطمۃُ الزہراؓ! اے رسول اللہ کی بیٹی۔ تیرے مصائب کو کن الفاظ کا جامہ پہناؤں؟ تیرے صبر، تیرے استقلال اور تیرے ایثار پر لاکھوں سلام۔ اور کروڑوں درود!

پھر تیرا سفرِ کوفہ وشام بھی توبڑا دل گداز تھا۔ دربارِ ابنِ زیاد میں اخلاقی انحطاط کے مظاہرے، حسین کے سرِ اقدس سے ابنِ زیاد کی گستاخیاں۔ اہلِ بیت سے گستاخانہ گفتگو .... قلم کا سینہ شق ہوا جاتا ہے۔ جذبات کی فراوانی الفاظ کی شکلیں بھول بیٹھی ہے.... ابھی دمشق کے سفر کی جانگسل سختیاں باقی ہیں۔ حسینؑ کا سر نیزے پہ بلند ہے۔ ایک ایک منزل سنگین سے سنگین تر ہے۔ یزید کے دربار میں سر کی نمائش لگی ہے۔ اہلِ بیت کی طرف انگلیاں اٹھ رہی ہیں۔ کہ یہ سر انہی کے سردار کا ہے۔ گستاخ نگاہیں عفت مآب بیبیوں کی روح کو چھیدے ڈالتی ہیں۔ میرے اللہ! یہ آسمان پھٹ کیوں نہیں پڑتا؟ یہ زمین شق کیوں نہیں ہو جاتی؟ تیرے انتقام کے پنجے کو حرکت کیوں نہیں آتی؟.... مدینہ والے اہلِ کوفہ کے ہاتھوں لٹ گئے ہیں۔ اشراف شریروں کے چنگل میں ہیں۔ بدی نیکی کے سینے پر سوار ہے۔ لیکن یہ سب کچھ یونہی ہونا تھا۔ اسی معرکۂ حق وباطل سے سچائی کے وہ سوتے پھوٹیں گے جو قیامت تک کبھی خشک نہ ہوں گے۔ ابنِ رسولؐ اللہ کا ایمان واستقلال، صبر ورضا، شجاعت وشرافت، زہد وریاضت، ایثار و قربانی .... یہ جلی عنوان ہیں اُس معرکہ کے، جس سے اہلِ عالم ہمیشہ سبق حاصل کرتے رہیں گے۔

اللھم صل علی محمد و علی اٰل محمد و بارک وسلم

○

تُو نے اپنی مخلوق کی اصلاح و فلاح کے لیے کیا کیا جتن کیے، کیسے کیسے رنگ بدلے، کس کس روپ میں پرگٹ ہوا۔ کبھی نبوت کبھی رسالت، کبھی امامت اور کبھی ولایت۔تیری ہر طرز نرالی اور عقل سے بعید تھی۔

کہیں سالک کہیں مجذوب، کہیں غازی کہیں شہید۔

تیرے سارے سودے میں یہ رنگ اور وہ رنگ نہایت دلکش اور دلآویز ہے۔

تیرا کربلائی رنگ کتنا کڑا اور رقت آمیز تھا۔

تیری مخلوق تیرے ہی وسائل سے ہر میدان میں تیرے ہی مدمقابل رہی اور تو خاموش رہا۔ قدرت کے باوجود کسی کی قوت سلب نہ کی۔ نہ ہی کسی پہ اپنی ہیبت طاری کی۔ بے شک تیری شان ورئی الورٰے اور تیری حکمت بعید از عقل ہے۔

یہ مقالات کتاب سے نہیں اُمّ الکتاب سے نقل کیے جاتے ہیں۔ اور ان کا راوی یہ راقم الحروف نہیں، راقم الحروف کا ھادی ہے۔

کیا کبھی آپ نے اس پہ غور نہیں فرمایا کہ اللہ رب العالمین نے اپنے حبیب اقدس ﷺ کی بیٹی ؓ کے بیٹے ؓ کو پیاس ہی کی نعمت سے سرفراز فرما کر امامت کا تاج پہنایا۔

تیری قدرت کی حکمت نے کیا کیا مظاہرے کیے!

ابتلا میں مبتلا فرما کر اپنی قدرت کی حکمت کے مناظر دکھائے اللہ اللہ!

حضرت سلیمان ؑ کو بھٹیاری کا بھٹ جھونکتے دیکھا

حضرت یوسف ؑ جمیل اللہ کو مصر کے بازار میں بکتے دیکھا

حضرت یونسؑ کو مچھلی کے پیٹ میں محبوس دیکھا
حضرت ایوبؑ کو تن میں کیڑے پڑتے دیکھے
حضرت موسیٰ کلیم اللہ کو فرعون کے گھر میں پلتے دیکھا
حضرت زکریاؑ کے جسم کو آرے سے چرتے دیکھا
میرے آقا روحی فداہ ﷺ کو طائف کے بازاروں میں لہولہان ہوتے دیکھا
ساقیٔ کوثر ﷺ کے نواسوںؓ کو دریائے فرات پہ تشنہ لب بلکتے دیکھا۔
اگر ایسے نہ ہوتا .... قدرت کی حکمت کی تاریخ میں کیا چاشنی ہوتی...؟
قادر کی قدرت پہ ایمان لا
و ھو علی کل شیء قدیر اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔
تیری قدرت کی حکمت کو بندہ کیونکر جان سکتا ہے ؟
لبِ دریا نواسۂ رسول ﷺ کو پیاسا مارا!
وہ حکمت ہی کیا جو بندوں کی سمجھ میں آجائے!

عارف ارادتِ الٰہی کا رازدان ہوتا ہے صدقِ دل سے تسلیم کرتا ہے کہ جو کچھ، جیسے ہو رہا ہے، ارادتِ الٰہی سے اسی طرح ہو رہا ہے جیسے کہ ہونا چاہیے اور سرا سر حکمت پہ مبنی ہے۔ حکیم کا کوئی بھی حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا اور یہ طریقت کا اہم مقام ہے۔

"اوئے کدھر؟"

"معلوم نہیں کہ آج میری سرکار روحی فداہ ﷺ کے نواسہؓ کی شامِ غریباں کی تقریب ہے؟ انس و جانّ و ملائکہ سب کے سب وہیں جانے کا ارادہ

رکھتے ہیں"۔

"اچھا اچھا! یہ امڈا ہوا سیلاب تو کسی شہر کو ڈبو سکتا ہے۔ قلم بے چارہ اس منظر کو قلمبند کرنے کی کیا قدرت رکھتا ہے۔"

تاریخ نے ایسا منظر کبھی نہیں دیکھا۔ قسامِ ازل بلک بلک رویا۔ ایسا دلسوز.... ایسا دلگداز.... جبریل تک انگشت بد نداں۔

تاریخ نے بڑے بڑے جنگجوؤں کو میدان میں سر دھڑ کی بازی لگاتے دیکھا، ایک معصوم شیر خوار کو اس طرح پیاسے بلکتے کبھی نہیں دیکھا۔ آدمیت کی انسانیت شرمندہ ہو کر منہ دکھانے کے قابل نہ رہی۔ جی چاہتا ہے چپنی ہی میں ناک ڈبو کر ڈوب مروں۔

تاریخ نے کورو پانڈو کے معرکے کو دیکھا لیکن اس پیاس کے آگے ہاتھ جوڑ کر روئی۔

پیاس سے جب دم گھٹنے لگا تو شاہؑ نے اصغرؑ سے فرمایا:

لہو پیتے ہیں بیٹا، پانی کربلا والے نہیں پیتے

O

میرے آقا روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم!

تیرے اصغرؑ کی پیاس نے رہتی دنیا تک محیر العقول داستان کی افتتاح کی جسے کوئی نظر انداز نہیں کر سکتا۔ کر سکتا ہی نہیں۔

اصغرؑ کی یہ پیاس اللہ کو اس قدر بھائی اور ایسی حوصلہ افزائی فرمائی کہ دنیائے دُوں کی تاریخ کو مات کر گئی اور پیاس کا انوکھا باب بن کر تاریخ پہ چھا گئی..... گویا آج ہی

کی بات ہے۔

حادثہ کرب وبلا میں پانی کا ذکر جس انداز میں آتا ہے، روح کانپ اٹھتی ہے۔ حضرت امامِ عالی مقام شہزادۂ کونین حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپؑ کے عزیز و اقارب جن کا مختصر سا قافلہ بہتر نفوس پر مشتمل تھا، کربلا کے چٹختے ہوئے ریگزار میں خیمے لگائے بیٹھا تھا۔ لعین ابن زیاد کے فوجی ان کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ شدت کی گرمی، چلچلاتی دھوپ، جلتا ہوا صحرا اور پانی ہر طرف سے بند تھا۔ قافلہ کا ہر شخص پیاس کی شدت سے بے تاب تھا کہ اتنے میں عباس علمبر دارؓ امامِ عالی مقامؑ کے پاس حاضر ہوئے۔ التجا کی کہ اجازت ہو تو جاؤں اور فرات سے پانی بھر لاؤں۔ امامِ عالی مقامؑ نے فرمایا اے عباسؓ! اے میرے بھائی! تو نہیں دیکھتا کہ امتحان کتنا سخت ہے ؟ دشمن تمہیں ہر گز پانی نہیں لینے دیں گے، صبر کرو اور انتظار کرو کہ حوضِ کوثر تمہارا منتظر ہے لیکن بچوں اور عورتوں کا پیاس سے بلکنا نہ دیکھا گیا اور علمدارِ حسینؑ مشکیزہ اٹھا فرات کی جانب بڑھے۔ کوفی دیکھے جا رہے تھے لیکن آپ کمال جرأت اور بہادری سے لبِ فرات تک پہنچ گئے۔ مشکیزہ بھرا اور واپس چل دیئے۔ کوفیوں نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو آگ لگ اٹھی۔ اہلِ حرم کے اِس ساقیؑ پر پل پڑے

بھادوں بھڑک اٹھی اگ دشمناں دی کہندے لے گیا شیر جوان پانی
گھیرا ظالماں دوڑ کے آن پایا، مارن تیر تے کھوہن شیطان پانی
بازو نال شمشیر دے قلم ہو گئے دنداں نال پھڑ ہوئے روان پانی
ملکھیؔ نکل گیا نال بہادری دے کول خیمیاں دے ڈُہلا آن پانی

بازو شہید ہوئے تو دانتوں میں مشکیزہ دبالیا لیکن تیروں کی بے پناہ بارش سے جسمِ اطہر اور مشکیزہ دونوں چھلنی ہو گئے اور وہ پانی خیموں کے قریب کربلا کی تپتی ہوئی ریت پر پھیل کر جذب ہو گیا۔

آلِ رسول ﷺ کے پیاسے پیاس کی شدت سے مسلسل تلملاتے رہے۔

ابنِ آدم کی تاریخ کے سکالر نے ورق ورق الٹے، الٹ الٹ کر ڈھونڈے، ہر عجیب و غریب مناظر کے جائزے لیے، محاسبے کیے ...

اور ٹک ایک شیر خوار معصوم کی پیاس پہ پہنچ کر اپنے قطعی قطعہ کو قلمبند کر گیا۔

ایک بے نیاز باپ نے بھی بے نیازی کی ایک حد کر دی۔

اصغر کا پیاس سے دم گھٹنے لگا، پانی مانگا ہنس کر فرمایا

"لہو پیتے ہیں، پانی کربلا والے نہیں پیتے"

O

تیری بے نیازی کا باب بھی تشنہ تھا ،

شاہِ کونین کے شیر خوار اصغرؓ نے سیراب فرما کر مکمل کر دیا۔

تیری بے نیازی کے دفتر میں بے نیازی کا یہ باب بھی سرِ فہرست رہا۔

تیری بے نیازی کی حد سے گزری ہوئی داستانیں پڑھ پڑھ کر کہا اِس حد نے ہر حد کو مات کر دیا۔

مولائے حسینؑ کی کسی بھی مجلس میں اندر ہو یا باہر اشکبار ہونا، غسلِ عصیاں ہے۔

دین کی تصویر ..... حسینؑ کی محبت کی وفا کی حد

دین کی تفسیر ..... سیدہ زینبؓ کے صبر کی وفا کی حد

دین کی توقیر ..... معصوم علی اصغرؓ کو پانی کے بدلے
گلو میں تیر .... کفر کے ظلم کی انتہا کی حد۔

بحضور سید الشہداء

## حضرت امام حسین علیہ السلام

مصطفےٰ و مرتضےٰ زہرا کا پیارا ہے حسین
عالمِ اسلام کی آنکھوں کا تارا ہے حسین
جگمگا اٹھا جہاں جس کی شعاعِ نور سے
نیرِ تاباں ہے وہ، اک ماہ پارا ہے حسین
ہیں خدا و مصطفےٰ خیبر شکن سایہ فگن
مت کہو دشتِ بلا میں بے سہارا ہے حسین
خندہ زن ہے کربلا میں زیرِ تیغِ کوفیاں
ظلم کے ہر زخم کا مرہم ہے چارا ہے حسین
غازۂ اسلامیاں ہے سرخیٔ خونِ شہید
گلشنِ اسلام کو تُو نے نکھارا ہے حسین
تھی سسکتی پستیوں میں ملتِ بیضا جسے
بحرِ خوں میں ڈوب کر تو نے ابھارا ہے حسین
جب لگے گرنے کہا ہاتف نے، اے دشتِ بلا!
یہ شبِ اسریٰ کے دولھا کا دلارا ہے حسین
گردنِ حق کٹ تو سکتی ہے مگر جھکتی نہیں
زیرِ خنجر عزم و ہمت سے پکارا ہے حسین

منتظر ہیں شوق میں حور و ملک ارض و فلک
کس خرامِ ناز سے واللہ سدھارا ہے حسینؓ
شہسوارِ کربلا سے سیکھ لو درسِ عمل
حریت کے نور کا روشن منارا ہے حسینؓ
ایک ریلے میں خس و خاشاکِ باطل بہہ گئے
مصطفیٰؐ کے بحر کا پُرزور دھارا ہے حسینؓ
جبر کے طوفاں چراغِ حق بجھا سکتے نہیں!
عظمتِ اسلام کا زریں اشارا ہے حسینؓ

ایک دن حاضرؔ یہی ہوگا زبانِ خلق پر
ہم غلام اسکے ہیں اور آقا ہمارا ہے حسینؓ

O

شہزادۂ کونین سیدنا امام حسینؓ کی شان میں جو عبارات لکھی گئی ہیں ترمذی شریف جلد دوم اور غنیۃ الطالبین سے نقل کی گئی ہیں۔

ایک صاحب نے لکھا کہ یہ عبارات غلط ہیں اور وہ انہیں غلط ثابت کریں گے۔انہوں نے مناظرے کی فرمائش کی۔

بندہ نے جواب دیا کہ بندہ اور بندے کے تمام دوست شہزادۂ کونین سیدنا امام حسینؓ اور ان کے اہلِ بیت کے وفادار و جانثار ازلی غلام ہیں۔ان کی شان میں کسی سے بھی اور کوئی بھی کلام کبھی گوارا نہیں کر سکتے۔یہ مناظرہ کسی اور ہی سے کریں۔کبھی محبت کے شیدائی بھی اپنے محبوب میں کوئی نقص نکالا کرتے ہیں اور پھر سرورِ کونین ﷺ کی بیٹی کے بیٹے شہزادۂ کونین میں ؟

حسینؓ میرے مولیٰ ہیں اور میں بغیر کسی دلیل کے آپؓ کا غلام ہوں اور یہ کافی ہے۔

آپ کی شان میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا :

حسین منی و انا من حسین

"حسینؓ مجھ سے ہے اور میں حسینؓ سے ہوں"

اور یہ ابلاغ کی حد ہے۔و ما علینا الا البلاغ۔

غلام جو تیری نظروں میں کوئی وقعت نہیں رکھتا...اہم ترین، قریب ترین اور نازک ترین منصب پر فائز ہوتا ہے۔

غلام کیسا بھی ہو،مالک کی نسبت سے ذی وقار ہوتا ہے۔

اگر وفادار ہو تو مالک کے ملک میں مختار ہوتا ہے۔اگر کسی کو کوئی شے دے

دے، مالک کبھی بازپرس نہیں کرتا۔

غلام کی عطا مالک کی عطا متصور ہوتی ہے۔ ایک ہی تو غلام کا یہ ناز ہوتا ہے جس پر وہ پھولے نہیں سماتا ورنہ غلام بھی کسی چیز کا مالک ہوتا ہے ؟

اگر کوئی غلام کسی کو کھیت سے ایک گنا بھی دینے کا مجاز نہیں، تو کیا اس کی غلامی اور کیا اس کا وہ ؟

غلام اگر وفادار ہو، مالک کا قائم مقام ہوتا ہے۔

"آپ کا غلام" کہنے اور لکھنے کو ہم نے ایک شیوہ بنایا ہوا ہے۔ ہر کوئی ہر کسی کو اپنے تئیں غلام قرار دے کر مطمئن ہو جاتا ہے۔ حالانکہ کہیں کبھی کوئی کسی کا غلام ہوتا ہے ؟ البتہ ہر کوئی اپنے نفس کا ضرور غلام ہوتا ہے۔

غلام وہی ہوتے ہیں جو ابدی ہوتے ہیں، کبھی ناکام نہیں رہتے۔

ابدی غلام، فائز المرام۔

میرا تو کوئی غلام نہیں

البتہ میں اُن کا ابدی غلام ہوں۔

سعدؓ مولائے علی کرم اللہ وجہہ کا جانثار غلام تھا ،

شہزادہ کونین سیدنا امام حسینؓ کی حمایت میں شہید ہوا۔

مرحباً مکرمًا مشرفًا۔

سعدؓ شہادت کی سعادت سے مسعود ہو کر اہلِ بیت میں شمار ہوا اور اس سے بڑھ کر کوئی اور درجہ نہیں۔

اسی طرح فیروز شہزادۂ کونین سیدنا امام حسینؓ کا وفادار تھا۔ حضور کے ہمراہ

شہید ہوا۔ مرحباً مکرمًا مشرفًا

فیروز کا شمار اہلِ بیت میں ہوا اور یہ عطا کی حد ہے۔

قبیلہ مضر کا ایک گمنام بدو فیروز مولائے علی کرم اللہ وجہہ کی غلامی سے مشرف ہوا۔ وفا کی ادائیں مولا کو بھا گئیں۔ حتیٰ کہ کربل کے میدان میں شہزادۂ کونین کی معیت میں شہید ہو کر اہلِ بیت میں شمار ہوا۔

اللہ اللہ یہ کیا تھا؟ وفا کا ایک اعجاز۔

چلمن کا پردہ سرکا! ہوش میں آ!

ادھر دیکھ! جو تیرے ہیں، تیرے پاس کھڑے ہیں اور یہ عنایت کی حد ہے۔

خیمہ میں رونے کی آواز سن کر شبیرؑ چونکے!

"یہ آواز کیسی؟"

خادمہ بولی "میں نے شادی نہیں کی، خدمت ہی میں زندگی گزار دی۔ اگر میری بھی شادی ہوئی ہوتی اور کوئی بچہ ہوتا تو میں بھی، اے آقا، آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتی اور اسے آپ کے قدموں پہ قربان کر کے سُرخرو ہوتی۔"

یہ سن کر شاہؑ کا دل بھر آیا۔

فرمایا "آپ مجھی کو اپنا بیٹا سمجھیں۔"

اور

یہ شبیرؑ کا ایک ایسا الوداعی پیغام ہے جو قیامت تک سنہری حروف میں جگمگاتا رہے گا۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ حضرت حسینؓ بن علیؓ حضور اقدس ﷺ کے پاس آئے جبکہ آپ پر وحی نازل ہو رہی تھی وہ حضور اقدس ﷺ کے قریب آکر آپ کے کندھے پر سوار ہو کر پیٹھ سے کھیلنے لگے۔

حضرت جبریلؑ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپؐ ان سے محبت رکھتے ہیں ؟

آپ ﷺ نے فرمایا اے جبریلؑ ! کیا وجہ ہے کہ میں اپنے بیٹے سے محبت نہ کروں ؟

پھر جبریلؑ نے کہا آپؐ کے بعد آپ ﷺ کی امت عنقریب انہیں قتل کر دے گی۔اس کے بعد جبریلؑ نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور سفید رنگ کی مٹی لے آئے اور کہا: یا محمد ﷺ ! آپ کا بیٹا اِس زمین پر قتل ہو گا اور اس کا نام طف ہے۔

(طف الفرات ارض کربلا کا پہلا نام ہے بعد میں کربلا مشہور ہوا)

پھر حضرت جبریلؑ آپ ﷺ کی خدمت سے چلے گئے تو حضور اقدس ﷺ باہر نکلے اور مٹی آپ کے ہاتھ میں تھی اور آپ رو رہے تھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا اے عائشہؓ! جبریلؑ نے مجھے خبر دی ہے کہ میرا بیٹا حسینؓ طف کی زمین میں قتل ہو گا اور میری امت میرے بعد عنقریب فتنے میں مبتلا ہو جائے گی۔

پھر آپ ﷺ اپنے صحابہؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ان میں حضرت علیؓ، حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت عمارؓ اور حضرت ابو ذرؓ موجود تھے اور آپ ﷺ رو رہے تھے۔

صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! کس چیز نے آپ ﷺ کو رُلایا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جبریلؑ نے مجھے خبر دی ہے کہ میرا بیٹا حسینؓ میرے بعد طف کی زمین میں قتل کیا جائے گا اور جبریلؑ اس جگہ کی مٹی میرے پاس لائے ہیں اور مجھے خبر دی ہے کہ اِس (زمین) میں اس کی (حضرت حسینؓ کی) قبر ہو گی۔

(معجم الکبیر للطبرانی الجزء الثالث، ص۱۰۷، شمار۲۸۱٤)

حضرت اُمِ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت حسنؓ اور حسینؓ دونوں میرے گھر میں جناب رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھیل رہے تھے کہ جبریلؑ نازل ہوئے اور کہا اے محمد ﷺ! بیشک آپ ﷺ کی امت آپ کے بعد آپ ﷺ کے اِس بیٹے کو قتل کر دے گی اور ہاتھ سے حسینؓ کی جانب اشارہ کیا۔ (یہ سن کر) حضور اقدس ﷺ رونے لگے اور حضرت حسینؓ کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت اُمِ سلمہؓ کو (وہ مٹی دی جو جبریلؑ نے آپ کو دی تھی اور) فرمایا یہ مٹی تیرے پاس امانت ہے۔ پھر حضور اقدس ﷺ نے اس مٹی کو سونگھا اور فرمایا افسوس کرب وبلا (سختی و مصیبت)

حضرت اُمِ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا اے اُمِ سلمہؓ! جب یہ مٹی خون سے تبدیل ہو جائے گی تو جان لینا کہ میرے بیٹے کو قتل کر دیا گیا ہے۔ پھر حضرت اُمِ سلمہؓ نے اس مٹی کو ایک شیشی میں محفوظ کر لیا۔ اور روزانہ اسے دیکھتی رہتیں اور فرماتیں جس روز یہ مٹی خون میں تبدیل ہو جائے گی وہ بڑا عظیم دن ہو گا۔

(معجم الکبیر للطبرانی الجزء الثالث ص۱۰۸،شمار۲۸۱۷)

محمد بن حسن سے روایت ہے کہ جب عمرو بن سعد حضرت حسینؓ کے پاس آیا

اور (گفتگو کے بعد) انہیں یقین ہو گیا کہ یہ مجھ سے جنگ کریں گے (اور قتل کر دیں گے) تو آپؓ نے اپنے ساتھیوں میں کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد آپؓ نے فرمایا:

"آپؓ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ کس قدر سخت معاملہ در پیش ہے۔ دنیا کیسے بدل گئی ہے اور منہ موڑ گئی ہے اور اس نے حسنِ سلوک کی بجائے پیٹھ پھیر لی ہے اور اسی روش پر چل رہی ہے یہاں تک کہ نیکی سے صرف اتنا ہی کچھ باقی رہ گیا ہے جتنا کہ برتن میں تھوڑی سی تلچھٹ۔ زندگی بے وقعت ہو کر رہ گئی ہے۔ اس اونٹ کی طرح جو مضرِ صحت چراگاہ میں زندگی کے دن پورے کر رہا ہو۔
کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا اور باطل سے منع نہیں کیا جا رہا۔ ایسی حالت میں تو مومن کو اللہ کے پاس ہی چلے جانا چاہیے اور مَیں (راہِ حق میں) موت کو سعادت سمجھتا ہوں اور ظالموں کے ساتھ رہنا رُسوائی ہے۔"

اور حضرت امام حسینؓ وادیٔ کربلا کے مقام طف میں عاشورہ کے دن ۶۱ھ میں شہید کر دیے گئے۔ اس وقت آپؓ ریشم اور اُون کا بنا ہوا سیاہی مائل جُبّہ زیبِ تن کیے ہوئے تھے اور آپؓ نے سیاہ خضاب لگایا ہوا تھا اور آپ کی عمر چھپن سال تھی۔

(مجمع الكبير الطبراني جلد۳، ص۱۱٤ - ۱۱٥، شمار۲۸٤۲)

○

# داستانِ کربلا

واقعات اور خطباتِ

## سیدنا امام حسین علیہ السلام

سبطِ رسولؐ ، جگر گوشۂ بتول سیدِ شبابِ اہل الجنتہ ، شہیدِ کرب وبلا، مظلومِ دشتِ نینوا، شہزادۂ کونین حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت تاریخِ اسلام کا وہ عظیم المیہ ، دلخراش اور اندوہناک سانحہ ہے کہ اس پر قیامت تک ماتم برپا رہے گا۔ مظلوم امام کے سوگ میں ۶۱ ھ سے لے کر آج تک اتنے آنسو بہائے گئے ہیں کہ اگر ان کو یکجا کر دیا جائے تو دنیا کی ہر چیز اس میں ڈوب جائے۔ کیونکہ حسین ایک شخصیت ہی نہ تھے ، ایک اصول تھے ، ایک تہذیب تھے ، ایک سیاست، ایک عہد کی تاریخ تھے ، دینِ قیم کی تفسیر تھے۔ ان کی شہادت پر حضرت زید بن ارقمؓ کے یہ الفاظ کبھی فراموش نہیں کیے جا سکتے جو انہوں نے آپ کا کٹا ہوا سر دیکھ کر ابنِ زیاد کے بھرے دربار میں کہے تھے :

> "اے عرب! آج سے تم غلام ہو۔ تم نے ابنِ فاطمہؓ کو قتل کیا۔ ابنِ مرجانہ (عبید اللہ ابن زیاد) کو حاکم بنایا۔ وہ تمہارے نیک انسان قتل کرتا اور تمہارے شریروں کو غلام بناتا ہے۔ تم نے ذلت پسند کر لی۔ اللہ انہیں تباہ کرے جو ذلت قبول کرتے ہیں۔"

حق وباطل میں ازلی آویزش کی تاریخ کا یہ آخری معرکہ دریائے فرات کے

کنارے جس انداز میں حسینؓ ابنِ علیؓ نے لڑا، دنیا کی تاریخ اس کا جواب پیش نہیں کر سکتی۔ آپؓ نے ظلم و جوَر اور فسق و فجوُر کے بڑھتے ہوئے طوفان کے آگے اپنے مقدس خون سے وہ سرخ لکیر کھینچ دی جسے قیامت تک طاغوتی طاقتیں نہ مٹا سکیں گی۔ آپؓ نے مظلومی کی موت کو سینے سے لگا کر اس حقیقت کو تابناکی اور پائندگی دیدی کہ

"معرکۂ حق و باطل میں اہلِ حق کی وقتی شکست نہ حق کے حق
ہونے کے خلاف ہے اور نہ باطل کے باطل ہونے کے منافی۔
دیکھنا انجامِ کار کا ہے کہ آخر حق ہی کامیاب و سُرخرو ہوتا ہے۔"

آج صدیاں گزریں، حسینؓ کا ذکر گھر گھر میں ہے۔ کروڑوں دل ہیں جو اُن کی محبت سے آباد اور اُن کی یاد سے زندہ ہیں۔ اُن کے اُسوہ سے حیاتِ سرمدی حاصل کرتے ہیں۔ ظلم و استحصال مٹ جانے والی چیز ہیں۔ حسینؓ زندہ اور قیامت تک زندہ رہے گا۔ جب کہ یزیدیت ہمیشہ کے لیے ذلت کی علامت بن چکی ہے۔ مسندِ خلافت پر یزید کی جانشینی ایک ناگوار حادثہ تھا جس نے بلادِ اسلامیہ اور بالخصوص صائب الرائے صحابۂ رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین کو برہم اور بے چین کر دیا۔ وہ یزید کو اس منصبِ جلیلہ کا ہرگز اہل تصور نہ کرتے تھے۔ چنانچہ جن محترم شخصیتوں نے یزید کی بیعت سے علی الاعلان انکار کیا، ان میں حضرت امام حسینؓ کا نام سرِ فہرست تھا اور اصولی طور پر ہونا بھی چاہیے تھا جیسا کہ آپ کے خطبات سے ظاہر ہے۔

حضرت امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد اہلِ کوفہ کے ایک مقتدر گروہ نے باہمی مشاورت سے حضرت امام حسین علیہ السلام کو ایک خط لکھا کہ ہم یزید کی بیعت سے انکار کرتے ہیں۔ ہمارا اِس وقت کوئی امام نہیں۔ ہم یزید کی طرف سے کوفہ کے امیر

نعمان بن بشیر کو یہاں سے نکال دیں گے، آپ فوراً کوفہ تشریف لے آئیں۔" اور پھر ایسے ہی خطوط اور وفود کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس مسلسل اصرار پر آپ نے اپنے خاص معتمد چچازاد بھائی مسلم بن عقیلؓ کو حالات کا جائزہ لینے کے لیے بھیج دیا۔ وہ کوفہ پہنچے تو اہلِ کوفہ نے آپ کا پُرتپاک خیر مقدم کیا۔ چند ہی روز میں اٹھارہ ہزار مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر حضرت امام حسینؑ کے لیے بیعت کرلی اور یہ سلسلہ روز بروز بڑھتا رہا۔ چنانچہ آپ نے حضرت امام حسینؑ کو لکھا کہ حالات نہایت سازگار ہیں آپ کوفہ تشریف لے آئیں۔　(ابن اثیر)

حضرت مسلمؓ حضرت امام حسین علیہ السلام کو خط بھیج چکے تو یکسر حالات بدلنا شروع ہو گئے۔ یزید کو کوفہ کے بدلتے ہوئے حالات کی اطلاع مل چکی تھی۔ چنانچہ اس نے نعمان بن بشیر کی بجائے عبید اللہ ابنِ زیاد کو کوفہ کا عامل بنا کر بھیج دیا جو تاریخ کا بدترین سفاک اور شقی القلب انسان شمار کیا جاتا ہے۔ اس نے کوفہ پہنچ کر حضرت مسلمؓ اور ان کے دو کمسن صاحبزادوں کو بڑی بیدردی سے شہید کر دیا۔ ادھر چونکہ امام حسینؑ کے پاس اہلِ کوفہ کے قریباً ڈیڑھ سو خطوط اور بہت سے وفود کے علاوہ حضرت مسلم بن عقیلؓ کا خط بھی پہنچ چکا تھا، اس لیے آپ نے کوفہ جانے کی تیاری شروع کر دی اور بالآخر ۳ یا ۸ ذوالحجہ کو مکہ سے روانہ ہو گئے۔ حضرت عمر بن عبدالرحمٰنؓ، عبداللہ ابن عباسؓ، عبداللہ ابن جعفرؓ ایسے اصحاب نے آپ کی کوفہ کو روانگی کو پُرخطر بتایا اور روکنے کی کوشش بھی کی، لیکن تاریخ کا وہ باب جس کا عنوان امامؑ برحق کے خون کی سرخی چاہتا تھا، آپ کو بلا رہا تھا۔ نخلِ اسلام کے برگ و بار جو ظلم واستبداد کی آندھیوں سے زرد رُو اور پامال ہو رہے تھے، خونِ شہداء سے آبیاری کے طلب گار تھے، ایک فرض کی تکمیل تقاضا کر رہی تھی چنانچہ عورتوں، بچوں اور جوانوں

پر مشتمل خاندانِ رسالت کا یہ قدوسی قافلہ اپنے نانا ﷺ کے دین کی سربلندی کے لیے میدانِ کرب وبلا کی جانب چل نکلا۔

راستے میں شاعرِ اہلِ بیت فَرَزْدَقْ عراق سے آتا ہوا ملا۔

آپؑ نے پوچھا:

"اہلِ عراق اور کوفہ کو کس حال میں چھوڑ آئے ہو؟"

فَرَزْدَقْ نے کہا کہ اہلِ عراق کے دل تو آپ کے ساتھ ہیں مگر اُن کی تلواریں بنی اُمیّہ کے ساتھ ہیں اور تقدیر آسمان سے نازل ہوتی ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے!

حضرت امام حسین علیہ السلام فرمایا، تم سچ کہتے ہو اور فرمایا:

لله الامر مایشاء و کل یوم ربنا فی شان ان نزل القضاء نحب فنحمد الله و هو المستعان علی اداء الشکروان حال القضاء دون الرجاء فلم یعتد من کان الحق نیته و التقوی سریرته۔

(کامل ابن اثیر)

اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں تمام کام۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور ہمارا رب ہر روز نئی شان میں ہے۔ اگر تقدیرِ الٰہی ہماری مراد کے موافق ہوئی تو ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے اور ہم شکر کرنے میں بھی اس کی اعانت طلب کرتے ہیں کہ وہ ادائے شکر کی توفیق دے اور تقدیرِ الٰہی ہماری مراد میں حائل ہو گئی تو وہ شخص خطا پر نہیں جس کی نیت حق کی حمایت ہو اور جس کے دل میں خوفِ خدا ہو۔

یہاں سے آگے بڑھے۔ مقامِ حاجز پر پہنچے، تو قیس بن مسرہد کو اہلِ کوفہ کے نام ایک خط دے کر بھیجا۔ جس میں انہیں اپنی آمد کی اطلاع دی گئی تھی۔ ابنِ زیاد نے امامِ عالی مقامؑ کی آمد سے مطلع ہو کر مقام قادسیہ پر ایک فوجی چوکی قائم کر رکھی تھی۔ حضرت قیس قادسیہ پہنچے تو گرفتار کر لیے گئے اور خط سمیت ابنِ زیاد کے پاس پہنچا دیے گئے۔ ابنِ زیاد نے خط پڑھ کر حضرت قیس کو حکم دیا کہ قصرِ امارت پر چڑھ کر حضرت امام حسین علیہ السلام کو (معاذ اللہ) گالیاں دو اور لعن طعن کرو۔ حضرت قیس چھت پر چڑھ گئے اور اللہ کی حمد و ثنا کے بعد بہ آوازِ بلند کہا:

"اے اہلِ کوفہ: حسینؓ بن علیؓ حضور نبی کریم ﷺ کی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے اور اس وقت کی مخلوق میں سب سے افضل ہیں۔ میں تمہاری طرف ان کا بھیجا ہوا قاصد ہوں۔ وہ مقام حاجز تک پہنچ چکے ہیں، تم ان کا استقبال کرو۔"

اس کے بعد ابنِ زیاد کو برا بھلا کہا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لیے کلماتِ خیر کہے اور دعائے مغفرت کی۔ ابنِ زیاد برہم ہو گیا۔ چنانچہ حضرت قیس کو اس کے حکم سے چھت سے نیچے گرادیا گیا۔ قیس کے نیچے گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام مقام ثعلبیہ پہنچے تو آپ کو حضرت مسلم بن عقیلؓ کی شہادت کی خبر ملی اور یہ کہ آپ کوفہ ہرگز نہ آئیں کیونکہ کوفہ میں اس وقت آپ کا کوئی ساتھی اور مددگار نہیں ہے۔ کچھ ساتھیوں نے واپسی کا مشورہ دیا اور کہا کہ اگر خدانخواستہ آپ قتل کر دیے گئے تو پھر دنیا میں کوئی ایسا نہ رہے گا جس سے بنو اُمیّہ کو

خوف ہو۔ آپ کی بقا کے ساتھ اسلام کی، اہلِ قریش کی اور پورے عرب کی حرمت و عزت وابستہ ہے۔'' لیکن جادۂ مستقیم کا یہ مسافر اپنے ارادہ پر قائم رہا۔ فرمایا آگے بڑھو۔

مقام زبالہ پر پہنچ کر اطلاع ملی کہ عبداللہ بن لقیطؓ جنہیں آپ نے راستہ سے مسلم بن عقیلؓ کی طرف پیغامبر بنا کر بھیجا تھا، وہ بھی شہید کر دیے گئے ہیں۔ آپ نے تمام ساتھیوں کو جمع کیا اور فرمایا:

> ''اے لوگو! ہمیں نہایت دہشتناک خبریں پہنچی ہیں۔ مسلم بن عقیلؓ ہانی بن عروہؓ اور عبداللہ بن لقیطؓ شہید کر دیے گئے ہیں۔ ہمارے متبعین نے بے وفائی کی۔ کوفہ میں ہمارا کوئی مددگار نہیں۔ جو ہمارا ساتھ چھوڑنا چاہے، چھوڑ دے۔ ہم ہرگز خفا نہ ہوں گے!''

بدوؤں کی ایک بِھیڑ جو یہ سمجھتے ہوئے کہ کوفہ میں خوب عیش و آرام کریں گے ساتھ ہو گئی تھی، آپ کے اس اعلان کے بعد دائیں بائیں کٹنا شروع ہو گئی اور اب آپ کے ساتھ وہی لوگ رہ گئے جو مکہ سے ساتھ چلے تھے۔

مقام قادسیہ سے آپ آگے بڑھے تو عبیداللہ ابنِ زیاد والیٔ عراق کے عامل حصین بن نمیر التیمی نے جو قادسیہ کی چوکی کا نگرانِ اعلیٰ تھا، حر بن یزید التیمی کو ایک ہزار فوج کے ساتھ آپ کی نگرانی کے لیے بھیج دیا۔ اور حکم دیا کہ وہ حضرت امام حسینؓ کے ساتھ برابر لگا رہے یہاں تک کہ انہیں عبیداللہ ابنِ زیاد کے روبرو پہنچا دے۔ حر لشکر کے ساتھ مقام ذی حُسم پر آپ سے آملا اور بالمقابل پڑاؤ ڈال لیا۔ اسی اثنا میں نماز

ظہر کا وقت آگیا۔ آپ نے مؤذن کو اذان دینے کا حکم دیا۔ آپ تہہ بند باندھے چادر اوڑھے نعل پہنے خیمہ سے باہر تشریف لائے اور حمد و ثنا کے بعد اپنے ساتھیوں اور حر کے سپاہیوں کے سامنے خطبہ دیا:

ایها الناس: انها معذره الی الله تعالی عزوجل و الیکم انی لم اتکم حتی اتتنی کتبکم و قدمت علی رسلکم ان اقدم علینا فانه لیس لنا امام لعل الله یجمعنابک علی الهدی فان کنتم علی ذلک فقد جئتکم فان تعطونی مااطمئن الیه من عهودکم و مواثیقکم اقدم مصرکم و ان لم تفعلوا و کنتم لمقدمی کارهین انصرفت عنکم الی المکان الذی اقبلت منه الیکم۔

اے لوگو! میرا اللہ تعالی اور تمہاری طرف عذر ہے کہ بیشک میں (اپنی مرضی سے) تمہارے پاس نہیں آیا جب تک کہ تمہارے خطوط میرے پاس نہیں آئے اور تمہاری طرف سے پیغام رساں میرے پاس بلانے کے لیے پیغام لائے کہ ہمارا کوئی امام نہیں۔ شاید اللہ تعالی آپ کے ذریعے ہمیں ہدایت پر جمع فرما دے۔ پس اگر تم اس بات پر قائم ہو تو میں تمہارے پاس آگیا ہوں۔ اپنے عہدوں اور پیمانوں کے مطابق جس چیز پر ئیں مطمئن ہو جاؤں اگر میری اطاعت کرو گے تو میں تمہارے شہر (کوفہ) کو آگے جاؤں گا اور اگر تم ایسا نہیں کرو گے اور میرا آنا تمہیں ناپسند ہے تو میں اس مقام کی طرف واپس لوٹ جاؤں گا، جس جگہ سے آیا ہوں۔

یہ سن کر سب خاموش رہے، کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آپ نے مؤذن کو اقامت کہنے کا حکم دیا۔ پھر حر بن یزید سے کہا کیا تم اپنے لشکر کے ساتھ علیحدہ نماز پڑھو گے ؟ حر نے کہا نہیں، آپ امامت کریں ہم آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ دوست دشمن سب مقتدی تھے۔ پھر عصر کا وقت آگیا اور نماز عصر کے لیے اذان کا حکم فرمایا۔ آپؑ نے نماز ادا فرمائی اور سلام کے بعد قوم کی طرف متوجہ ہو کر اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا :

اما بعد: ایها الناس فانکم ان تلقوا و تعرفوا الحق لاهله یکن ارضی لله و نحن اهل البیت اولی بولایة هذا الامر علیکم من هؤلاء المدعین ما لیس لهم و السائرین فیکم بالجور و العدوان۔ و ان انتم کرهتمونا و جهلتم حقا و کان رایکم غیر ما اتتنی کتبکم و قدمت به علی رسلکم انصرفت عنکم فقال له الحر انا و الله ماندری ماهذه الکتب التی تذکر؟ فاخرج له الحسین خرجین

حمد و ثنا کے بعد : اے لوگو! اگر تم ڈرو اور حق کو پہچان لو تو تم درستی پر ہو گے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں زیادہ رضا مندی کا باعث ہو گا اور ہم اہلِ بیت اس وقت تم پر حاکم بننے کے زیادہ حق دار ہیں۔ ان حکومت کے دعویداروں کی نسبت کہ ان میں وہ چیز نہیں (جو ہم میں اہلِ بیت کی فضیلت ہے) اور یہ لوگ تم میں ظلم و عدوان جاری کرنے والے ہیں اور اگر تم ہمارا آنا ناگوار سمجھتے ہو اور ہمارے حق سے ناواقف ہو اور تمہاری رائے ان خطوط کی تحریروں کے برعکس ہو گئی ہے جو میرے پاس پہنچے ہیں اور جو پیغام مجھے پہنچایا گیا ہے

مملوتين صحفا فنشرها بين ايديهم۔

تو مجھے بھی تمہاری رائے سے اختلاف کرنا ہوگا۔

(یہ سن کر) حر نے کہا۔ اللہ کی قسم ہمیں ان خطوط کا کوئی علم نہیں، جن کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ چنانچہ حضرت امام حسینؑ نے دو تھیلے خطوں سے بھرے ہوئے انکے سامنے انڈیل دیے۔

اس پر حر نے کہا: لیکن وہ ہم نہیں جنہوں نے یہ خط لکھے تھے۔ ہمیں تو بس یہ حکم ملا ہے کہ آپ کو ابن زیاد کے پاس پہنچا دیں۔ آپ نے فرمایا واللہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ میرے جیتے جی تم ایسا نہ کر سکو گے۔ حر نے کہا اگر آپ کو یہ منظور نہیں تو آپ کوئی ایسا راستہ اختیار کیجئے جو نہ کوفہ کو جاتا ہو نہ مدینہ کو۔ میں ابنِ زیاد کو لکھتا ہوں شاید مَیں آپ کے معاملہ میں امتحان سے بچ جاؤں۔ جسے آپ نے منظور کر لیا۔ یہاں تک کہ آپؑ مقام بیضہ میں پہنچے۔

یہاں آپؑ نے پھر دوستوں اور دشمنوں سے خطاب فرمایا:

ايها الناس ان رسول الله ﷺ قال من راى سلطانا جائرا مستحلا لحرم الله ناكثا لعهد الله مخالفا لسنة رسول الله ﷺ يعمل فى عباد الله بالاثم و العدو ان فلم

اے لوگو! بیشک جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص ظالم بادشاہ کو دیکھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حرمات کو حلال قرار دینے والا ہے، اللہ تعالیٰ کے عہد توڑنے والا ہے، جناب رسول اللہ ﷺ کی سنت

يغيرعليه بفعل و لا قول، كان
حقا على الله ان يد خله مد خلته
الا و ان هولاء قد لزمو اطاعة
الشيطن و تركو اطاعته الرحمن
و اظهر و الفساد و عطلوا
الحدود و استاثر الفى و احلوا
احرام الله و حرموا حلاله و انا
احق من غير وقد اتتنى كتبكم و
قدمت على رسلكم ببيعتكم
انكم لا تسلمونى و لا تخذلونى
فان تممتم على بيعتكم نصيبوا
رشدكم و انا الحسين بن على و
ابن فاطمة بنت رسول الله ﷺ
نفسى مع انفسكم واهلى مع
اهليكم فلكم فى اسوة و ان لم
تفعلوا و تقضتم عهدكم و
خلعتم بيعتى من اعناقكم
فلعمرى ماهى لكم بنكن لقد
فعلتموها بابى و اخى و ابن عمى

کی مخالفت کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ کے
بندوں میں گناہ اور نافرمانی میں تجاوز کا
عمل جاری کرنے والا ہے، پھر (وہ
شخص) قول اور فعل سے اس کی مخالفت
نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ اسے
خاص عذاب میں مبتلا کر دے! خبردار!
ان لوگوں نے شیطان کی اطاعت کو اختیار
کر لیا ہے اور رحمان کی اطاعت کو چھوڑ دیا
ہے اور فساد برپا کر رہے ہیں، شریعت کی
حدود کو چھوڑ دیا ہے اور مالِ غنیمت کو اپنا
حق سمجھ لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حرام کی
ہوئی چیزوں کو حلال اور حلال چیزوں کو
حرام قرار دے لیا ہے اور میں (اِن خلافِ
شرع باتوں کے) مٹانے کا زیادہ حق رکھتا
ہوں اور میرے پاس تمہارے خطوط
آئے ہیں اور تمہاری طرف سے بیعت
کے پیغام رساں پہنچے ہیں کہ تم میری
بات ماننے سے گریز نہ کرو گے اور میری
مدد کرنا نہ چھوڑو گے پھر اب اگر تم نے

مسلم و المعذور من اعتربکم فخطکم اخطاتم و نصیبکم ضیعم۔ و من نکث فانما ینکث علی نفسه و سیغنی الله عنکم و السلام علیکم و رحمته الله و برکاته۔

(کامل ابن اثیر)

میرے ہاتھ پر بیعت مکمل کر لی تو اپنی ہدایت کا حصہ حاصل کر لو گے (اور جان لو کہ) میں حسینؓ بن علیؓ اور جناب رسول اللہ ﷺ کی بیٹی فاطمہؓ کا بیٹا ہوں۔ میں خود تمہارے ساتھ ہوں اور میرے اہل تمہارے اہل کے ساتھ ہیں۔ تمہاری لیے میری ذات میں (ہدایت کا) نمونہ ہے اور اگر تم نے ایسا نہ کیا (بیعت کر کے اطاعت نہ کی) اور اپنے عہد کو توڑ دیا، اپنی گردنوں سے میری بیعت کو نکال دیا تو مجھے میری عمر کی قسم! تم سے یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ تم نے میرے باپ (حضرت علیؓ) اور بھائی (حسنؓ) اور ابنِ عم مسلمؓ (ابن عقیل) کے ساتھ بھی اسی طرح بد عہدی کی ہے اور جو شخص تمہاری باتوں میں آگیا، دھوکے میں پڑ گیا۔ پس اپنی ہدایت کا حصہ تم چُوک گئے (خطا کر گئے) اور اپنا نصیبہ تم نے ضائع کر دیا۔ اور جس شخص نے عہد

کو توڑا تو اس عہد کے توڑنے کا وبال اسی
کی ذات پر ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے مجھے
بے پروا کردے گا۔
والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

ایک اور مقام پر آپ نے پھر مخالفین کے سامنے یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

انه قد نزل من الامرما قد ترون و ان الدنيا قد تغيرت و تنكرت و ادبر معروفها و استمرت جدا فلم يبق منها الاصبابة كصبابة الاناء و خسيس و عليش كالمرعى الوبيل الاترون ان الحق لايعمل به و ان الباطل لا يتناهى عنه۔ ليرغب الموسن فى لقاء الله محقا فانى لا ارى الموت الا شهادة و لا الحيوة مع الظلمين الا برما

بے شک جس قدر سخت معاملہ درپیش ہوا ہے، تم دیکھ رہے ہو اور بیشک دنیا کے حالات میں تغیر و تبدل ہو چکا ہے اور حالات ناگوار ہو چکے ہیں اور دنیا نیکی کو پیچھے چھوڑ کر اسی نہج پر چل رہی ہے۔ پھر نیکی سے صرف اتنا ہی کچھ باقی رہ گیا ہے جتنا کہ برتن میں تھوڑا سا تلچھٹ۔ اور زہر آلود خوراک سے زندگی خراب ہو جاتی ہے۔ خبردار تم نہیں سمجھتے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا اور بیشک باطل سے منع نہیں کیا جاتا بیشک میں موت کو شہادت یقین کرتا ہوں اور ظالموں کے ساتھ زندگی گزارنا بجائے خود ایک جرم ہے۔

حُربن زید آپ کے ساتھ برابر چلا آرہا تھا، باربار کہتا تھا۔ اے حسینؓ! میں آپ

کو اپنی جان کے بارے میں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اگر آپ جنگ کریں گے تو یقیناً قتل کر دیے جائیں گے۔ ایک مرتبہ آپ نے غضبناک ہو کر فرمایا:

"تو مجھے موت سے ڈراتا ہے! کیا تمہاری شقاوت اس حد تک پہنچ جائے گی کہ مجھے قتل کرو گے؟ سمجھ میں نہیں آتا کہ تجھے کیا جواب دوں؟ لیکن میں وہی کہوں گا جو جناب رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی نے جہاد پر جاتے ہوئے اپنے بھائی کی دھمکی سن کر کہا تھا:

سا مضی و ما با لموت عار علی الفتی اذا مانوی
خیرا و جاهد مسلما فان عشت لم اندم و ان مت
لم الم کفی بک ذلا ان تعیش و ترغما

"یعنی میں اپنے ارادہ کو ضرور پورا کروں گا اور موت میں کسی جوان کے لیے کوئی عار نہیں۔ جب کہ اس کی نیت خیر ہو اور مسلمان ہو کر جہاد کر رہا ہو۔ پھر اگر میں زندہ رہ گیا تو نادم نہ ہوں گا اور اگر مر گیا تو قابلِ ملامت نہ ہوں گا اور تمہارے لیے اِس سے بڑی ذلت کیا ہے کہ ذلیل و خوار ہو کر زندہ رہو۔"

عذیب الہجانات مقام پر کوفہ سے چار سوار آتے دکھائی دیے، ان کے آگے آگے طرماح بن عدی یہ رجز پڑھتے ہوئے آ رہے تھے:

"اے میری اونٹنی! میری ڈانٹ سے نہ ڈر۔ طلوعِ فجر سے پہلے ہمت سے چل۔ اچھے مسافروں کو لے چل۔ سب سے بہتر سفر پر

چل۔ یہاں تک کہ شریف النسب آدمی تک پہنچ جا۔ وہ عزت والا ہے، آزاد ہے، فراخ سینہ ہے، اللہ اسے سب سے اچھے کام کے لیے لایا ہے۔ اللہ اسے سلامت رکھے۔"

حُر نے ان لوگوں کو دیکھا تو آپؓ سے کہا: "یہ لوگ کوفہ کے ہیں۔ آپ کے ساتھی نہیں۔ میں انہیں روکوں گا یا واپس کر دوں گا!" آپ نے فرمایا "تم وعدہ کر چکے ہو کہ ابنِ زیاد کا خط آنے سے پہلے تم مجھ سے کوئی تعرض نہ کرو گے۔ اگر تم نے ان سے چھیڑ چھاڑ کی تو میں تم سے لڑوں گا!" یہ سن کر حُر خاموش ہو گیا۔ آنے والوں نے بتایا کہ شہر کے سرداروں کو رشوتیں دے کر ملا لیا گیا ہے۔ عوام کے دل آپ کے ساتھ ہیں مگر ان کی تلواریں کل آپ کے خلاف نیام سے نکلیں گی اور یہ کہ آپ کے فرستادہ قاصد قیس بن مسہر کو قتل کر دیا گیا ہے۔

حضرت قیس کی شہادت کے حالات سن کر آپ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا:

"بعض ان میں سے مر چکے ہیں اور بعض موت کا انتظار کر رہے ہیں۔ مگر حق پر ثابت قدم ہیں۔ ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے۔ خدایا! ہمارے لیے اور ان کے لیے جنت کی راہ کھول دے، اپنی رحمت اور ثواب کے دارالقرار میں ہمیں اور انہیں جمع کر دے۔"

طرماح بن عدی نے کہا کہ "میں نے جو حالات دیکھے ہیں، ان کا تقاضا ہے کہ آپ جلد از جلد دشمنوں کے نرغے سے نکل جائیں۔ آپ میرے ساتھ چلیے۔ میں اپنے پہاڑ "اجا" میں آپ کو اتاروں گا۔ وہاں دس دن بھی نہ گزریں گے کہ قبیلہ طے کی بیس ہزار تلواریں آپ کی مدد کو پہنچ جائیں گی۔ مگر آپ نے فرمایا: "اللہ تمہیں جزائے

خیر دے لیکن ہمارے اور ان کے درمیان ایک عہد ہو چکا ہے، ہم اس کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ ہمارا ان کا معاملہ کس حد تک پہنچ کر ختم ہو گا"!

## ایک خواب

قصر بنی مقاتل نامی مقام سے کوچ کے وقت اونگھ آگئی۔ پھر چونک کر بلند آواز سے آپ نے فرمایا:

انا لله و انا الیه راجعون ط الحمد لله رب العالمین ط

تین مرتبہ یہی فرمایا۔ آپ کے صاحبزادے علی اکبر نے سنا اور عرض کی۔ ابا جان! کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا۔ جان پدر! ابھی اونگھ گیا تھا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سوار کہتا ہوا چلا جا رہا ہے۔ "لوگ چلتے ہیں اور ان کی موت ان کے ساتھ چل رہی ہے۔" میں نے سمجھ لیا یہ ہماری موت کی خبر ہے، جو ہمیں سنائی جا رہی ہے۔"

علی اکبرؓ نے کہا! خدا آپ کو روزِبد نہ دکھائے۔ ابا جان کیا ہم حق پر نہیں؟ فرمایا "بیشک ہم حق پر ہیں۔" اس پر وہ کہہ اٹھے۔ "اگر ہم حق پر ہیں تو موت کی کوئی پروا نہیں!" (ابن جریر۔ شرح نہج البلاغۃ وغیرہ)

مقامِ نینوا پر پہنچے تو ابنِ زیاد کا قاصد حُر کے پاس اس کا حکم لے کر پہنچا جس میں یہ لکھا تھا کہ:

> "حسین کو کہیں ٹکنے نہ دو۔ کھلے میدان کے سوا کہیں اترنے نہ پائے۔ قلعہ بند یا شاداب مقام پر پڑاؤ نہ ڈال سکے۔ میرا یہ قاصد تمہارے ساتھ رہے گا اور دیکھتا رہے گا کہ تم کہاں تک میرے حکم کی تعمیل کرتے ہو۔"

# حسینی قافلہ کربلا میں

آخر آپ ایک اجاڑ سر زمین میں جا کر اتر پڑے۔ پوچھا کیا نام ہے اس جگہ کا؟ بتایا گیا۔ کربلا! آپ نے فرمایا" یہ کرب اور بلا ہے" یہ بے آب و گیاہ مقام پانی سے دور تھا۔ دریا اور مقام کے درمیان ایک پہاڑی حائل تھی۔ دوسرے دن عمر بن سعد ابنِ زیاد کی تازہ ہدایات کے ساتھ چار ہزار فوج لے کر آ پہنچا۔ آتے ہی قاصد کے ذریعے امام حسینؓ سے دریافت کیا آپ کیوں تشریف لائے ہیں؟ آپ نے وہی جواب دیا جو اس سے پہلے حُر بن یزید کو دے چکے تھے کہ اہلِ کوفہ ہی نے مجھے بلایا ہے۔ اب اگر وہ مجھے ناپسند کرتے ہیں تو میں واپس جانے کے لے تیار ہوں۔ عمر بن سعد کو اس جواب سے اطمینان ہوا اور سوچا کہ اگر خونِ حسینؓ کا امتحان اس سے ٹل جائے تو بہتر ہے۔ فوراً ابنِ زیاد کو خط لکھا مگر اس نے خط پڑھ کر کہا: "اب ہمارے پھندے میں آ پھنسا ہے۔ چاہتا ہے نجات پائے۔ مگر اب واپسی اور نکل بھاگنے کا وقت نہیں!" اور پھر جواب لکھوایا۔ "حسینؓ سے کہو پہلے اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ یزید کی بیعت کریں۔ پھر ہم دیکھیں گے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ حسینؓ اور ان کے ساتھیوں پر پانی بند کر دیا جائے۔ وہ پانی کا ایک قطرہ بھی نہ پینے پائیں۔" چنانچہ پانی بند کر دیا گیا اور دریا کے گھاٹ پر پانچ سو سپاہی متعین کر دیے گئے۔

حضرت امام حسینؓ نے اپنے بھائی حضرت عباسؓ بن علیؓ کو تیس سوار اور بیس پیدل دیگر فرات سے پانی لانے کا حکم دیا۔ چنانچہ سخت مقابلہ کے بعد آپ بیس مشکیں بھر لانے میں کامیاب ہو گئے۔

شام کو امام حسین علیہ السلام اور عمر بن سعد کے درمیان پھر ملاقات ہوئی جس میں آپ نے تین صورتیں پیش کیں :

۱۔ مجھے وہیں لوٹ جانے دو، جہاں سے آیا ہوں۔

۲۔ مجھے یزید کے پاس جانے دو، میں اپنا معاملہ خود اس سے طے کرلوں گا۔

۳۔ مجھے مسلمانوں کی کسی سرحد پر بھیج دو۔ وہاں کے لوگوں پر جو گزرتی ہے، وہی مجھ پر بھی گزرے گی۔

عمر بن سعد نے یہ صورت حال ابنِ زیاد کو لکھ بھیجی۔ لیکن وہاں سے شمر بن ذی الجوشن ابن زیاد کا یہ جواب لے کر کربلا پہنچا کہ :

> ''میں نے تمہیں اس لیے نہیں بھیجا کہ تم جنگ سے پہلو تہی کرو۔ یا ان کو مہلت دو۔ یا ان کی سفارش کرو۔ اگر حسینؓ اور ان کے ساتھی میرے حکم پر صلح کرنا اور میرے پاس آنا چاہتے ہیں تو ان کو صحیح سالم یہاں پہنچادو۔ ورنہ ان سے جنگ کرو۔ یہاں تک کہ ان کو قتل کرو۔ مُثلہ کرو۔ پھر قتل کے بعد ان کو گھوڑوں کی ٹاپوں میں روند ڈالو۔ اگر تم نے ہمارے حکم کی تعمیل کی تو انعام پاؤ گے اور اگر اس کی تعمیل نہیں کرسکتے تو فوج کی قیادت شمر کے سپرد کردو۔''
>
> (ابن جریر)

شمر ذی الجوشن کی پھوپھی ام البنین بنت خرام امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی زوجیت میں تھی۔ ان کے چار صاحبزادے عباس بن علیؓ، عبداللہ بن علیؓ، جعفر بن علیؓ اور عثمان بن علیؓ اس معرکے میں حضرت امام حسینؑ کے

ساتھ تھے۔ شمر ان چاروں کے لیے ابنِ زیاد سے پروانۂ امان حاصل کر چکا تھا۔ جب یہ پروانہ ان چاروں بزرگوں کے پاس پہنچا تو انہوں نے اسے حقارت سے ٹھکرا دیا اور فرمایا:

"افسوس ہے تم پر کہ ہمیں تو امان دیتے ہو لیکن فرزندِ رسولؐ کے لیے امان نہیں ہے۔ اللہ کی امان تمہاری امان سے بہتر ہے۔ ہم تجھ پر اور تیری امان پر لعنت بھیجتے ہیں۔"

حضرت امام حسینؓ نے بھی ابنِ زیاد کا یہ پیغام مسترد کر دیا اور فرمایا کہ اس ذلت سے موت بہتر ہے۔

سر داد نہ داد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؑ

نویں محرم کو حضرت امام حسین علیہ السلام کو خواب میں جناب رسولؐ اللہ ملے اور فرمایا: حسینؓ! تم اب ہمارے پاس آنے والے ہو۔ یہ خواب آپ کی ہمشیرہ جناب زینبؓ نے سنا تو رو پڑیں۔ اسی حالت میں شمر کا لشکر سامنے آگیا۔ آپ نے اپنے بھائی حضرت عباسؓ سے کہا کہ ان سے کہو کہ آج کی رات قتال ملتوی کر دو تاکہ میں آج کی رات وصیت، نماز، دعا و استغفار کر سکوں۔ چنانچہ دشمن واپس چلے گئے۔

(ابن جریر / یعقوبی)

فوج کی واپسی کے بعد آپ نے اپنے اصحاب کو جمع کیا اور یہ خطبہ دیا:

اللهم انی حمدک علی ان اکرمتنا بالنبوة و علمتنا القران و فقهتنا فی الدين وجعلت لنا اسماعا و ابصارا و افئدة و لم تجعلنا من المشركين اما بعد۔ فانی لا اعلم اصحابا اولی و لا خيرا من اصحابی و لا اهل بيت ابر و لا اوصل من اهل بيتی فجزاكم الله عنی جميعا خيرا الا و انی اظن يومنا من هؤلاء الاعداء غدا الا و انی قد رايت لكم فانطلقوا جميعا فی حل، ليس عليكم منی ذمام هذا الليل قد عيشكم فاتخذوه جملاثم لياخذكل رجل منكم بيد رجل من اهل بيتی ثم تفرقوا فی سوادكم و مدائنكم حتی يفرج الله۔
فان القوم انما يطلبوننی و لو قد

اے اللہ! میں تیری حمد اور تیرا شکر بجالاتا ہوں اس بات پر کہ تو نے ہمیں نبوت کے شرف سے نوازا۔ ہمیں قرآن سکھایا اور دین میں فہم و شعور بخشا اور ہمیں (حق کے سننے والے) کان اور (حقائق بین) آنکھیں اور (حق شناس) دل دیے اور ہمیں مشرکوں میں نہیں بنایا۔ اما بعد! میرے علم میں آج کسی شخص کے ساتھی ایسے اچھے اور افضل نہیں جیسے کہ میرے ساتھی اور نہ ہی میرے اہل بیت سے بڑھ کر کوئی خاندان نیک وفا شعار اور ثابت قدم ہے۔ تم سب کو اللہ میری طرف سے جزائے خیر دے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کل کا دن میرے اور ان کے درمیان فیصلہ کن ہو گا۔ میں نے تمہارا اخلاص دیکھ لیا۔ اب میں تم سب کو اجازت دیتا ہوں کہ اب تم سب امن کی جگہ چلے جاؤ میرا تم پر کوئی عہد (باقی) نہیں۔ رات کی تاریکی چھا چکی ہے، اسے غنیمت جانو۔

اصابونی لھوا عن طلب غیری

(جمہرۃ خطب العرب، ص ۴۱)

اور تم میں سے ہر شخص میرے اہلِ بیت میں سے ایک شخص کا ہاتھ تھام لے اور اپنی اپنی آبادیوں اور شہروں میں پھیل جاؤ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کشائش فرمادے۔ دشمن قوم صرف میری طلب گار ہے۔ جب وہ مجھے پالیں گے تو پھر وہ کسی اور سے تعرض نہ کریں گے۔"

یہ تقریر سن کر آپ کے ساتھی اور اہلِ بیت سخت بے چین ہو اٹھے اور پکار اٹھے "اے ہمارے آقا! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم آپ کو دشمنوں کے نرغہ میں چھوڑ کر بھاگ جائیں! لوگ کیا کہیں گے کہ ہم نے اپنے سردار کے ساتھ نہ کوئی تیر پھینکا نہ نیزہ مارا نہ تلوار چلائی۔ نہیں، واللہ یہ ہر گز نہ ہوگا۔ ہم تو آپ پر اپنی جان و مال اور آل و اولاد سب کچھ قربان کر دیں گے۔ آپ کے بعد ہمیں خدا زندہ نہ رکھے۔"

یہ رات آپ اور آپ کے ساتھیوں نے اذکار و عبادت میں گزاری اور دشمن خیموں کے گرد چکر لگاتا رہا۔ حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میری پھوپھی زینبؓ میری تیمارداری میں مصروف تھیں کہ میرے والد یہ شعر پڑھ رہے تھے:

"اے زمانے! تیرا برا ہو۔ تو کیسا بے وفا دوست ہے صبح و شام تیرے ہاتھوں سے کتنے مارے جاتے ہیں۔ تو کسی کی رعایت نہیں کرتا۔ کسی سے عوض قبول نہیں کرتا اور سارا معاملہ اللہ ہی کے

ہاتھ میں ہے۔ہر زندہ موت کی راہ پر چلا جارہا ہے۔"

تین چار مرتبہ آپ نے یہ شعر دہرائے۔ میرا دل بھر آیا۔ آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ مگر میں نے ضبط کیا اور سمجھ گیا کہ مصیبت ٹلنے والی نہیں۔ میری پھوپھی نے شعر سنے تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ شیون وفریاد کرنے لگیں۔ حضرت امام عالی مقامؑ نے یہ حالت دیکھی تو خیمہ میں تشریف لائے فرمایا: "اے بہن! یہ کیا حال ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بے صبری ہمارے ایمان واستقامت پر غالب آجائے! انہوں نے روتے ہوئے کہا۔ "ایسی حالت پر صبر کیونکر کیا جاسکتا ہے جب کہ آپ ہمیں قتل ہوتے نظر آرہے ہیں!"

آپؑ نے فرمایا "مشیت کا یہی فیصلہ ہے"! اس پر بیقراریاں اور بڑھ گئیں اور وہ شدتِ غم سے بے حال ہوگئیں۔ یہ حالت دیکھ کر آپ نے صبر واستقامت پر ایک پُراثر تقریر کی۔ آپ نے فرمایا:

"بہن! خدا سے ڈرو! اس کی حمد وستائش سے اطمینان حاصل کرو۔ موت دنیا میں ہر زندگی کے لیے ہے۔ آسمان والے بھی ہمیشہ زندہ نہ رہیں گے۔ ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ پھر موت کے خیال سے اس قدر رنج اور بے قراری کیوں ہو۔ اے بہن! دیکھو ہمارے لیے اور ہر مسلمان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اسوۂ حسنہ ہے۔ یہ نمونہ ہمیں کیا سکھاتا ہے؟ یہ ہمیں ہر حالت میں صبر وثبات او توکل اور رضا کی تعلیم دیتا ہے۔ چاہیے کہ ہم کسی حال میں بھی اس سے منحرف نہ ہوں" (ابن جزیر، یعقوبی)

پھر آپ اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے اور اپنے ساتھیوں کے سامنے حسب ذیل خطبہ دیا:

یا عباد الله: اتقوا الله و كونوا من الدنيا على حذر فان الدنيا لو بقيت على احد او بقى عليها احد لكانت الانبياء احق بالبقاء و اولى بالرضاء وارضى بالقضاء غير ان الله تعالى خلق الدنيا للفناء فجديدها بال و نعيمها مضمحل و سرورها مكفهر و المنزل نلعة و الدار قلعة فتزودوا فان خير الزاد التقوى و اتقواالله لعلكم تفلحون۔

(جمہرۃ خطب العرب)

اے اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو اور دنیا کے (شر و فتنہ) سے بچتے رہو۔ کیونکہ دنیا اگر کسی کے ساتھ باقی رہتی، یا کوئی دنیا میں باقی رہتا، تو انبیاء علیہم السلام بقا کے زیادہ مستحق تھے۔ اور دنیوی زندگی پر زیادہ راضی رہنے والے اور اس کے اتار چڑھاؤ کے پسند کرنے والے ہوتے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو فنا کے لیے پیدا کیا اور دنیا کی ہر نئی شے پرانی ہونے والی ہے اور اس کی نعمتیں ختم ہونے والی ہیں، کمزور ہیں اور اس کی خوشی مکدّر ہے۔ اس کا قیام مقامِ خوف اور اس کا گھر کُوچ کی جگہ ہے۔ اس لیے تم کُوچ کے لیے زادِ راہ تیار کرو۔ بیشک بہتر زادِراہ تقویٰ ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔"

جمعہ یا سنیچر کا دن تھا اور محرم کی دسویں تاریخ کہ نمازِ فجر کے بعد عمر بن سعد

اپنی فوج لے کر نکلا۔ حضرت امامِ عالی مقامؑ نے اپنے اصحاب کی صفیں بالمقابل قائم کیں۔ اللہ اللہ، یہ منظر کیسا تھا۔ محمد ﷺ کا کلمہ پڑھنے والے محمد ﷺ کے نواسے پر تیر و تبر آزمانے نکل پڑے تھے۔ نہ جانے ان لوگوں کے ایمان کیسے تھے کہ نہ انہیں اپنے نبی ﷺ کی عزت کا پاس تھا نہ ان کی بیٹیؓ کی شرم۔ خاندانِ رسالت کی عفیف بیبیاں، خیموں میں سہمے ہوئے بچے، موت کے سائے جن کے تعاقب میں ہر لحظہ بڑھتے آ رہے ہیں، آہ آج ان کے بابا اور نانا کے گلشن کی آبرو لٹ جائے گی۔ آہ یہ سب کچھ کیا ہے؟ یہ سب کچھ کیوں ہے؟ خیموں سے آہوں اور سسکیوں کی آواز نالوں میں تبدیل ہونے کے لیے بیقرار ہے۔ امامؑ عالی مقام اپنی مختصر سی سپاہ کو ترتیب دیتے ہوئے خیمہ گاہ کی طرف پلٹے اور اپنی عفیفہ بہن زینبؓ سے فرمایا ”میری بہن! میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ میری شہادت پر تم کپڑے نہ پھاڑنا، بال نہ نوچنا، سینہ کوبی نہ کرنا، بَین نہ کرنا، صبر و استقامت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔“

اور پھر میدانِ جنگ میں پہنچ گئے۔ دشمن کا رسالہ آگے بڑھتے دیکھا تو آپ نے دعا کے لیے بارگاہِ ربُّ العزت میں ہاتھ پھیلا دیے فرمایا:

”الٰہی! ہر مصیبت میں میرا تجھی پر بھروسہ ہے۔ ہر سختی میں تو ہی میرا پشت پناہ ہے۔ کتنی مصیبتیں پڑیں، دل کمزور ہو گیا، تدبیر نے جواب دے دیا، دوستوں نے بے وفائی کی، دشمن نے خوشیاں منائیں مگر میں نے صرف تجھی سے التجا کی اور تو نے ہی میری دستگیری کی۔ تو ہی میری ہر نعمت کا مالک ہے۔ تو ہی احسان والا ہے۔ آج بھی تجھی سے التجا کی جاتی ہے۔“ (ابن اثیر)

جب دشمن قریب آگیا تو آپ نے اونٹنی طلب کی، سوار ہوئے۔ قرآن سامنے رکھا اور دشمنوں کی صفوں کے سامنے کھڑے ہو کر بلند آواز سے خطبہ دیا۔ آپ نے فرمایا:

ایها الناس اسمعوا قولی و لا تعجلونی حتی اعظمهم بما یجب لکم علی و حتی اعتذر الیکم مقدمی علیکم فان قبلتم عذری و صدقتم قولی و انصفتمونی کنتم بذلک اسعد و الم یکن لکم علی سبیل و ان لم تقبلوا منی العذر فاجمعوا امرکم و شرکائکم ثم لا یکن امرکم علیکم غمة ثم اقضوا الی و لا تنظرون ان و لی الله الذی نزل الکتب و هو یتولی الصالحین۔

لوگو! میری بات سنو۔ جلدی نہ کرو تاکہ میں حقِ نصیحت ادا کر دوں جو میرے ذمہ ہے اور تاکہ میں تمہیں اپنے یہاں آنے کی وجہ بتلا دوں۔ پھر تم گر میرا عذر قبول کرو اور میری بات کو سچا جانو۔ اور میرے ساتھ انصاف کرو تو اس میں تمہاری فلاح و سعادت ہے اور پھر تمہارے لیے میرے قتال کا کوئی راستہ نہیں اور اگر تم میرا راستہ قبول نہ کرو تو تم سب مل کر مقرر کرو اپنا کام اور جمع کر لو اپنے شریکوں کو۔ پھر نہ رہے تم کو اپنے کام میں شبہ۔ پھر کر گزرو میرے ساتھ (جو جی آئے) اور مجھ کو مہلت نہ دو۔ بیشک میرا اعتماد اس ذات پر ہے جس نے کتاب نازل کی اور وہی حامی ہے نیکو کاروں کا۔

اہلِ بیت نے یہ کلام سنا تو شدتِ تاثر سے بے اختیار ہو گئیں۔ میدانِ کربلا

مقتل نظر آرہا تھا۔ خیموں سے آہ و بکا کی صدائیں بلند ہوئیں۔ آپ نے سلسلۂ کلام روک کر اپنے بھائی عباسؓ اور اپنے فرزند علی اکبرؓ کو بھیجا کہ انہیں خاموش کرائیں اور کہا ابھی انہیں بہت رونا باقی ہے۔ اور پھر از سرِ نو تقریر شروع کی۔

"لوگو! میرا حسب نسب یاد کرو۔ سوچو میں کون ہوں؟ پھر اپنے گریبانوں میں منہ ڈالو اور اپنے ضمیر کا محاسبہ کرو۔ خوب غور کرو۔ کیا تمہارے لیے میرا قتل کرنا اور میری حرمت کا رشتہ توڑنا روا ہے؟ کیا میں تمہارے نبی ﷺ کی بیٹی کا بیٹا اور اس کے عم زاد کا فرزند نہیں ہوں؟ کیا سید الشہدا حمزہؓ میرے باپ کے چچا نہیں تھے؟ کیا ذوالجناحین جعفر الطیارؓ میرے چچا نہیں ہیں؟ کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کا یہ مشہور قول نہیں سنا کہ آپ میرے اور میرے بھائی کے حق میں فرماتے ہیں۔ سید شباب اھل الجنۃ (جنت میں نوجوانوں کے سردار) اگر یہ میرا بیان سچا ہے اور ضرور سچا ہے کیونکہ واللہ میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولا تو بتلاؤ کیا تمہیں برہنہ تلواروں سے میرا استقبال کرنا چاہیے؟ اگر تم میری بات کا یقین نہیں کرتے تو ہم میں ایسے لوگ موجود ہیں جن سے تصدیق کر سکتے ہو۔ جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے پوچھو۔ ابو سعید خدریؓ سے پوچھو۔ سہل بن سعدؓ ساعد انصاریؓ سے پوچھو۔ زید بن ارقمؓ سے پوچھو۔ انس بن مالکؓ سے پوچھو۔ وہ تمہیں بتائیں گے کہ انہوں نے میرے اور

میرے بھائی کے بارے میں جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے یا نہیں؟ کیا یہ بات بھی تمہیں میرا خون بہانے سے نہیں روک سکتی؟ واللہ اِس وقت رُوئے زمین پر بجز میرے کسی نبی کی بیٹی کا بیٹا موجود نہیں۔ میں تمہارے نبی ﷺ کا بلا واسطہ نواسہ ہوں۔ مجھے تم کس لیے ہلاک کرنا چاہتے ہو؟ کیا میں نے کسی کی جان لی ہے؟ کسی کا خون بہایا ہے؟ کسی کا مال چھینا ہے؟ کہو کیا بات ہے، آخر میرا قصور کیا ہے؟"

آپ نے بار بار پوچھا مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس خاموشی پر آپ نے بڑے بڑے کوفی سرداروں کا نام لے لے کر پکارنا شروع کیا۔

"اے شیث بن ربعی! اے حجاز بن الجبیر! اے قیس بن الاشعث! اے یزید الحارث! کیا تمہی نے مجھے نہیں لکھا تھا کہ "پھل پک گئے، زمین سرسبز ہو گئی، نہریں ابل پڑیں۔ اگر آپ آئیں گے تو اپنی فوجِ جرار کے پاس آئیں گے۔ جلد آیئے!"

اِس پر ان لوگوں کی زبانیں کھلیں اور انہوں نے کہا: "ہرگز نہیں، ہم نے نہیں لکھا تھا۔" اس کے بعد آپ نے پکار کر کہا "اے لوگو! چونکہ تم اپنے عہدوں سے منحرف ہو گئے ہو اور اب مجھے ناپسند کرتے ہو، اس لیے بہتر ہے کہ مجھے چھوڑ دو، میں یہاں سے واپس چلا جاتا ہوں!" یہ سن کر قیس بن الاشعث نے کہا "کیا یہ بہتر نہیں کہ آپ اپنے آپ کو ابنِ زیاد کے حوالے کر دیں، وہ آپ کے ساتھ برا سلوک نہ کرے گا۔ وہ آپ سے وہی برتاؤ کرے گا جو آپ پسند کریں گے۔"

آپ نے جواب دیا "اے شخص! تو چاہتا ہے کہ بنی ہاشم تجھ سے مسلم بن عقیلؓ کے علاوہ ایک اور خون کا مطالبہ کریں۔ نہیں! واللہ میں ذلت کے ساتھ اپنے آپ کو کبھی ان لوگوں کے حوالے نہ کروں گا!" (ابن جریر)

زہیرؓ بن القین نے آپؓ کے بعد اپنا گھوڑا لشکرِ اعدا کی جانب بڑھایا۔ ان کے سامنے پہنچے اور ان سے مخاطب ہو کر بولے:

"اے اہل کوفہ! عذابِ الٰہی سے ڈرو۔ ہر مسلمان پر اپنے بھائی کو نصیحت کرنا فرض ہے۔ دیکھو! اس وقت تک ہم سب بھائی ہیں۔ ایک ہی دین اور ایک ہی طریقہ پر قائم ہیں۔ جب تک تلواریں نیام سے نہیں نکلتیں، تم ہماری نصیحت اور خیر خواہی کے ہر طرح حقدار ہو۔ لیکن تلوار کے درمیان میں آتے ہی باہمی حرمتیں ٹوٹ جائیں گی۔ ہم اور تم الگ الگ دو گروہ ہو جائیں گے۔ دیکھو! اللہ نے ہمارا اور تمہارا اپنے نبی ﷺ کی اولاد کے بارے میں امتحان لینا چاہا ہے۔ ہم تمہیں اہلِ بیت کی نصرت کی طرف بلاتے ہیں اور سرکش عبید اللہ ابن زیاد کی مخالفت پر دعوت دیتے ہیں۔ یقین کرو ان حاکموں سے کبھی تمہیں کوئی بھلائی حاصل نہ ہو گی۔ یہ تمہاری آنکھیں پھوڑیں گے۔ تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے۔ تمہارے چہرے بگاڑیں گے۔ تمہیں درختوں کے تنوں پر پھانسی دیں گے اور نیک انسانوں کو چن چن کر قتل کریں گے۔ بلکہ اگر تم دیکھو تو وہ یہ سب کچھ کر بھی چکے ہیں۔ ابن حجر بن عدی اور ہانی بن عروہ

وغیرہ کے واقعات ابھی اتنے پرانے نہیں ہوئے کہ تمہیں یاد نہ رہے ہوں۔"

کوفیوں نے یہ تقریر سنی تو زہیرؓ بن القین کو برا بھلا کہنے لگے اور ابن زیاد کی تعریف و توصیف بیان کرنے لگے اور کہا "بخدا ہم اس وقت تک نہیں ٹلیں گے جب تک حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کو قتل نہ کرلیں یا انہیں اپنے امیر کے روبرو حاضر نہ کر دیں!"

زہیرؓ بن القین نے جواب دیا:

"خیر اگر فاطمہؓ کا بیٹا سمیّہ کے چھوکرے (ابنِ زیاد) سے کہیں زیادہ تمہاری حمایت و نصرت کا مستحق نہیں، تو کم از کم اولادِ رسول ﷺ کا اتنا پاس تو کرو کہ اسے قتل نہ کرو۔ اسے اور اس کے چچازاد یزید بن معاویہ کو ان کے حال پر چھوڑ دو تاکہ وہ آپس کا معاملہ خود طے کر لیں۔ واللہ یزید کو خوش کرنے کے لیے میرے خیال میں یہ ضروری نہیں کہ تم ابنِ رسول اللہ ﷺ کا خون بہاؤ لیکن شمر نے ان پر تیر پھینکا اور وہ واپس آگئے۔

اسی اثنا میں ایک حیرت انگیز واقعہ ظہور پذیر ہوا۔ ایک انسان جواب تک آگ سے کھیل رہا تھا، جواب تک دوزخ کے دہانے پر کھڑا تھا، یکایک اس کی قسمت کا ستارہ جاگ اٹھا۔ اس کی روح کی سعادتیں بیدار ہوگئیں۔ اور وہ آگ کی دیوار پھلانگ کر گلشنِ فردوس کے آغوش میں پہنچ گیا۔ یہ شخص حُر بن یزید تھا۔ وہی حُر جو آپ کو گھیر کر کربلا تک لایا تھا۔

عدی بن حرملہ سے روایت ہے کہ ابنِ سعد نے جب فوج کو حرکت دی تو حُر بن یزید نے کہا "خدا آپ کو سنوارے، کیا آپ اس شخص سے واقعی لڑائی کریں گے۔" ابنِ سعد نے جواب دیا۔ "ہاں! واللہ لڑائی۔ جس میں کم از کم یہ ہو گا کہ سر کٹیں گے اور ہاتھ شانوں سے اُڑ جائیں گے۔" کہا۔ کیا ان شرطوں میں سے کوئی ایک بھی قابلِ قبول نہیں جو پیش کی گئی ہیں؟" ابنِ سعد نے کہا۔ "بخدا اگر مجھے اختیار ہوتا تو مَیں ضرور منظور کر لیتا۔ مگر کیا کروں، تمہارا حاکم اسے منظور نہیں کرتا!" (ابن جریر)

قرۃ بن قیس کا بیان ہے کہ اس کے بعد حرؓ غمگین سا ہو گیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا ہے اور اسی حالت میں اس نے امام حسین علیہ السلام کی طرف آہستہ آہستہ بڑھنا شروع کر دیا۔ اس کے قبیلے کے ایک شخص مہاجر بن اوس نے جب اس کی یہ حالت دیکھی تو پوچھا۔ کیا تم حسینؓ پر حملہ کرنے جا رہے ہو؟ حرؓ خاموش رہا۔ اس کی اس پُراسرار خاموشی پر مہاجر کو شک ہو گیا۔ کہنے لگا تمہاری خاموشی مشتبہ ہے۔ میں نے کسی بھی جنگ میں تمہاری یہ حالت کبھی نہیں دیکھی۔ اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ کوفہ کا سب سے بڑا بہادر کون ہے تو تمہارے نام کے سوا کوئی نام میری زبان پر نہیں آسکتا۔ پھر تم اس وقت کیا کر رہے ہو؟

حرؓ نے سنجیدگی سے جواب دیا: "بخدا! مَیں جنت یا دوزخ میں سے ایک کا انتخاب کر رہا ہوں اور اللہ کی قسم! مَیں نے اپنے لیے جنت کا انتخاب کر لیا ہے اگرچہ مجھے اس کے عوض ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے!" یہ کہا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر لشکرِ حسینؓ میں پہنچ گیا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ کر اس نے عرض کی "ابنِ رسولؐ اللہ! میں ہی وہ بدبخت انسان ہوں جس نے آپ کو واپس جانے سے روکا۔ راستہ

پھر آپ کا پیچھا کیا اور اس جگہ اترنے پر مجبور کیا۔ خدا کی قسم! میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ یہ لوگ آپ کی شرائط کو تسلیم نہیں کریں گے۔ اور آپ کے معاملے میں اس حد تک پہنچ جائیں گے۔ واللہ اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ وہ آپ سے یہ برتاؤ کریں گے تو میں اس حرکت کا کبھی ارتکاب نہ کرتا۔ میں اپنے جرم پر نادم ہوں۔ توبہ کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ آپ کے قدموں میں قتل ہونا چاہتا ہوں۔ کیا آپ کے خیال میں میری یہ توبہ اس جرم کی تلافی کے لیے کافی ہو گی؟

آپؓ نے شفقت سے فرمایا ہاں! اللہ تیری توبہ قبول کرے۔ تجھے معاف کرے اور بخش دے! تیرا نام کیا ہے؟

اس نے کہا "حُربن یزید!"۔

آپ نے فرمایا "تو حُر (آزاد) ہی ہے۔ جیسا تیری ماں نے تیرا نام رکھ دیا ہے۔ تو دنیا اور آخرت میں انشاء اللہ "حُر" ہی ہے۔"

پھر حرؓ دشمن کی صفوں کے سامنے پہنچا اور ان سے خطاب کیا۔ "اے لوگو! حسینؓ کی پیش کی ہوئی شرطوں میں سے کوئی شرط منظور کیوں نہیں کر لیتے؟ تاکہ اللہ تمہیں اِس امتحان سے بچالے۔"

لوگوں نے جواب دیا۔ "ہمارے سردار عمر بن سعد موجود ہیں۔ یہ جواب دیں گے۔"

ابنِ سعد نے کہا "مجھے افسوس ہے کہ میں اپنی دلی خواہش کے باوجود ان شرطوں کو منظور نہیں کرتا کیونکہ میرے سردار ابنِ زیاد کو یہ منظور نہیں!"

اس کے بعد حرؓ نے اہلِ کوفہ کو ان کے عہد و پیان یاد دلائے۔ ان کی بد عہدی

پر ان کو شرم اور غیرت دلائی۔ آپ نے نہایت پر جوش تقریر کرتے ہوئے اہلِ کوفہ سے کہا :

”اے اہلِ کوفہ ! تم ہلاک اور برباد ہو جاؤ۔ کیا تم نے ان کو اس لیے بلایا تھا کہ وہ آجائیں اور تم ان کو قتل کر دو ؟ تم نے انہیں کہا تھا کہ ہم اپنی جان و مال آپ پر قربان کریں گے اور اب تم ہی ان کے قتل کے درپے ہو۔ ان کو اب اس چیز کی اجازت بھی نہیں دیتے کہ خدا کی طویل و عریض زمین میں کہیں چلے جائیں جہاں ان کو اور ان کے اہلِ بیت کو امن مل سکے۔ ان کو تم نے قیدیوں کی مثل بنا لیا ہے۔ دریائے فرات کا بہنے والا پانی، جسے یہودی، نصرانی، مجوسی سب پیتے ہیں، جس میں اس علاقے کے خنزیر لوٹتے ہیں، تم نے ان پر بند کر دیا ہے۔ حسینؓ اور ان کے اہلِ بیت پیاس سے بے حال ہو رہے ہیں۔ تم نے محمد ﷺ کے بعد ان سے ان کی اولاد کے بارے میں نہایت شرمناک سلوک کیا ہے۔ اب بھی وقت ہے توبہ کرو اور اگر تم توبہ نہ کرو اور اپنی حرکت سے باز نہ آؤ تو اللہ تعالیٰ تم کو روزِ قیامت پیاسا رکھے !“ (ابن اثیر)

کوفیوں نے ان کی اس تقریر پر ان پر پتھر پھینکے اور وہ واپس آپ کے لشکر میں آگئے۔

اس کے بعد عمر بن سعد نے اپنی کمان سنبھالی اور اعلان جنگ کرتے ہوئے حسینی لشکر پر یہ کہہ کر تیر پھینکا ..... ”لوگو! گواہ رہنا! سب سے پہلا تیر میں نے چلایا

ہے۔" اور پھر تیر اندازی شروع ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد زیاد بن امیہ اور عبید اللہ بن زیاد کے غلام یسار اور سالم میدان میں نکلے اور قدیم جنگی دستور کے مطابق مبازرت طلب کی۔ آپ نے عبد اللہؓ بن عمیر الکلبی کو مقابلہ میں بھیجا جنہوں نے ان دونوں کو قتل کر ڈالا۔ پھر ابن سعد نے میمنہ کو پیش قدمی کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے گھوڑے بڑھائے تو امام حسین علیہ السلام کے ساتھی نیزے سیدھے کر کے گھٹنے ٹیک کر کھڑے ہو گئے۔ نیزوں کے منہ پر گھوڑے آگے نہ بڑھ سکے اور واپس لوٹنے لگے۔ آپ کی فوج نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا اور تیروں سے کئی آدمی قتل اور زخمی کر ڈالے۔ فریقین سے پھر ایک ایک دو دو آدمی نکلے اور تلوار کے جوہر دکھاتے رہے۔ لیکن اس جنگ میں آپؑ کا پلہ بھاری رہا۔ یہ دیکھ کر میمنہ کا سردار عمرو بن الحجاج پکار اٹھا:

"پہلے جان لو، کہ تم کن سے لڑ رہے ہو۔ یہ لوگ جان پر کھیلے ہوئے ہیں۔ تم اس طرح ایک ایک قتل ہوتے جاؤ گے۔ ایسا نہ کرو۔ یہ مٹھی بھر لوگ ہیں جنہیں تم پتھروں سے بھی مار سکتے ہو۔ بڑھو اور یکبارگی حملہ کر دو!" چنانچہ گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ کُشت و خون کا بازار گرم ہو گیا۔ لڑائی ذرا رکی تو حسینی فوج کا نامور بہادر مسلم بن عوسجہؓ خاک و خون میں پڑا نظر آیا۔ امامِ عالی مقامؑ دوڑ کر ان کی لاش پر پہنچے۔ دیکھا ابھی سانس باقی تھی۔ آہ سرد بھر کر کہا۔ "مسلم! تجھ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو، تو نے حقِ رفاقت ادا کر دیا۔" اور یہ آپؑ کی جانب سے پہلے شہید تھے۔ (ابن جریر)

میمنہ کے بعد میسرہ نے بھی یورش کی جس کا سالار خود شمر تھا۔ مجاہدین نے سخت مقابلہ کیا۔ شمر نے اپنی سپاہ میں کمزوری محسوس کی اور کمک طلب کی۔ جس پہ پانچ سو تیر انداز آگے بڑھے اور تیروں کی بارش کر دی جس سے حسینی فوج کے گھوڑے بیکار

ہو گئے اور وہ پیدل ہو کر لڑنے لگے۔ حرؓ بن یزید کا گھوڑا بھی تیروں سے چھلنی ہو گیا تو زمین پر کود پڑے۔ تلوار ہاتھ میں تھی۔ بالکل شیر معلوم ہوتے تھے۔ تلوار ہر طرف بجلی کی طرح تڑپتی نظر آتی تھی اور یہ رجز زبان پر تھے :

"اگر تم نے میرا گھوڑا بیکار کر دیا تو کیا ہوا۔ میں ایک شریف باپ کا
بیٹا ہوں اور خوفناک شیر سے بھی زیادہ بہادر ہوں !"

لڑائی اپنی پوری ہولناکی اور شدت سے جاری تھی۔ دوپہر کا وقت ہو چکا تھا۔ مگر کوئی فوج غلبہ حاصل نہ کر سکی۔ ابنِ سعد نے حکم دیا کہ حسینی خیموں میں آگ لگا دو۔ اس پر اس کے سپاہی آگ لے کر دوڑے "حسینی فوج نے یہ دیکھا تو مضطرب ہو اٹھے۔ مگر حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا۔ "کچھ پروا نہ کرو، جلانے دو۔ یہ ہمارے لیے اور بھی زیادہ بہتر ہے۔ اب وہ پیچھے سے حملہ نہیں کر سکیں گے۔ اور ہوا بھی یہی۔ اسی دوران نمازِ ظہر کا وقت آگیا۔ آپ نے فرمایا دشمنوں سے کہو ہمیں نماز کی مہلت دیں۔ مگر دشمن نے اسے منظور نہ کیا اور جنگ جاری رکھی۔ حسینی مجاہدوں کی قوتِ مدافعت کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ تمام جری اصحاب زہیرؓ بن القین، عبداللہؓ بن عمیر الکلبی، ابو ثمامہؓ، عمروؓ بن عبداللہ صامدی، حبیبؓ بن مظاہر، حنظلہؓ بن اسعد اور حرؓ بن یزید ایک ایک کر کے داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔

اللہ کی لاکھوں رحمتیں ہوں ان وفا شعار شہیدانِ عشق پر جنہوں نے میدانِ کرب وبلا میں حقِ رفاقت ادا کر کے دکھا دیا :

اب میدانِ جنگ میں کوفی فوجوں کے سامنے صرف بنی ہاشم اور خاندانِ نبوت ہی رہ گیا تھا۔ چنانچہ ان میں سے سب سے پہلے حضرت امامِ عالی مقامؑ کے

صاحبزادہ اکبر علی بن الحسینؓ میدان میں آئے۔ان کے ہونٹوں پر یہ رجز تھا:

"میں ہوں علی بن الحسین بن علی بن ابی طالبؓ! قسم ہے ربِّ کعبہ
کی کہ رسول اللہ ﷺ کے قرب کے ہم ہی زیادہ حق دار ہیں۔اللہ
کی قسم! نامعلوم باپ کے لڑکے کا بیٹا ہم پر حکومت نہ کر سکے گا!"

آپ بڑی شجاعت سے تلوار کے جوہر دکھاتے رہے لیکن آخر منقد العبدی کی تلوار سے شہید ہو گئے۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا ایک نہایت ہی حسین و جمیل عورت، جیسے اٹھتا ہوا سورج، خیمے سے تیزی سے نکلی۔وہ چلا رہی تھی۔ آہ میرے بھائی! آہ میرے بھتیجے!" میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا زینبؓ بنتِ فاطمہؓ بنتِ رسول اللہ! حضرت امام حسینؓ نے آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ تھام لیا اور خیمے میں پہنچا آئے۔ پھر بیٹے کی نعش کو اٹھایا اور خیمہ کے سامنے لا کر ڈال دیا۔ آلِ رسول کا یہ پہلا شہید جب خون میں نہایا ہوا خیمہ گاہ میں پہنچا تو دلخراش نالوں سے زمین و آسمان ہل گئے۔ "تو نیز بر سر بامِ آکہ خوش تماشایست" ان کے بعد اہلِ بیت اور بنی ہاشم کے دوسرے جانفروش میدانِ جنگ میں بڑھتے رہے اور قتل ہوتے رہے۔ اسی دوران دیکھنے والوں کی نگاہوں نے دیکھا کہ میدانِ جنگ میں ایک جوانِ رعنا نمودار ہوا۔نہ زرہ ہے نہ خَود۔ کُرتہ پہنے۔ تہہ بند باندھے۔ جوتے کی ایک ڈوری ٹوٹی ہوئی۔ وہ آیا تو یوں معلوم ہوا جیسے چاند کا ٹکڑا زمین پر آگیا ہو۔ شیر کی طرح پھرتا ہوا۔ اور دشمن پر ٹوٹ پڑا کہ اسی اثنا میں عمرو بن سعد ازدی کی تلوار اس کے سر پر پڑی۔ چلایا۔ہائے چچا! اور زمین پر گر پڑا۔ آواز سنتے ہی حضرت امامؓ بھوکے شیر کی طرح لپکے۔ قاتل پر بے پناہ تلوار کا وار کیا اور

اس کا ہاتھ کہنی سے کٹ کر اُڑ گیا۔ اس کی پکار پر اس کے ساتھی مدد کو بڑھے لیکن وہ بدبخت انہی کے گھوڑوں کی ٹاپوں میں روندا گیا۔ غبار چھٹا تو دیکھا حضرت امام حسینؓ اس جوان کے سرہانے کھڑے ہیں جو ایڑیاں رگڑ رہا تھا اور آپ فرما رہے تھے۔ "ہلاکت ہو ان کے لیے جنھوں نے تجھے قتل کیا۔ قیامت کے دن یہ تیرے نانا کو کیا جواب دیں گے؟ بخدا! تیرے چچا کے لیے یہ کتنا حسرت کا مقام ہے کہ تو اسے پکارے اور وہ جواب نہ دے یا جواب دے مگر اس کی آواز تجھے کوئی نفع نہ پہنچا سکے! افسوس تیرے چچا کے دشمن بہت ہو گئے مگر دوست باقی نہ رہے۔"

پھر اس نوجوان کی نعش کو گود میں یوں اٹھایا کہ اس کا سینہ تو آپ کے سینہ سے ملا ہوا تھا اور پاؤں زمین پر گھسٹتے جاتے تھے۔ اس حال میں آپ اسے لائے اور علی اکبرؓ کی نعش کے پہلو میں لٹا دیا۔

راوی کہتا ہے میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون ہے؟

جواب ملا۔ قاسم بن حسن بن علی بن ابی طالبؓ!"

(ابن اثیر)

## حسین تنہا رہ گئے

تنہا ست حسین ابنِ علی در صفِ اعداء
اکبر تو کجا رفتی و عباس کجائی؟

اب میدانِ وغا میں حسین تنہا کھڑے تھے۔ دشمن یلغار کر کے آتے تھے۔ لیکن سبطِ پیمبرؐ پر وار کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ اس کا گناہ

دوسرے کے سر ڈال دے۔ لیکن شمر ذی الجوشن نے لوگوں کو برانگیختہ کرنا شروع کیا۔ چنانچہ ہر طرف سے آپ کو گھیر لیا گیا۔ اہلِ بیت کے خیمہ میں عورتیں اور چند نو عمر بچے رہ گئے تھے۔ اندر سے ایک لڑکے نے آپ کو اس طرح گھِرا دیکھا تو جوش سے بے خود ہو گیا اور خیمہ کی لکڑی لے کر دوڑ پڑا۔ راوی کہتا ہے اس کے کانوں میں دُر پڑے ہل رہے تھے۔ یہ گھبرا یا ہوا دائیں بائیں دیکھتا ہوا چلا کہ حضرت زینبؓ کی نظر پڑ گئی۔ دوڑ کر پکڑ لیا۔ عالی مقام حسین علیہ السلام نے بھی دیکھ لیا اور بہن سے کہا "اسے روکے رہو، آنے نہ پائے۔ مگر لڑکے نے زور کر کے اپنے آپ کو چھڑا لیا۔ اور آپ کے پہلو میں پہنچ گیا۔ عین اس وقت بحرین بن کعب نے تلوار اٹھائی۔ لڑکے نے فوراً ڈانٹ پلائی:

"او خبیث: میرے چچا کو قتل کرے گا؟"

سنگدل حملہ آور نے تلوار لڑکے پر چھوڑ دی۔ اس نے ہاتھ پر روکی۔ ہاتھ کٹ گیا۔

ذرا سی کھال لگی رہ گئی۔ بچہ تکلیف سے چلایا۔

حضرت امام حسینؓ نے اسے سینے سے چمٹا لیا۔ اور فرمایا "صبر کر اور اسے ثوابِ خداوندی کا ذریعہ بنا۔ اللہ تعالیٰ تجھے بھی تیرے صالح بزرگوں تک پہنچا دے گا.... رسول اللہ ﷺ، علی بن ابی طالبؓ، حمزہؓ، جعفرؓ اور حسن بن علیؓ تک!"

اب ہر طرف سے آپ پر نرغہ شروع ہوا۔ آپ نے بھی تلوار چلانا شروع کی۔ پیدل فوج پر ٹوٹ پڑے اور تن تنہا اس کے قدم اکھاڑ دیے۔ عبداللہ بن عمار جو اس جنگ میں شریک تھا، روایت کرتا ہے کہ میں نے نیزے سے حضرت حسینؓ پر حملہ کیا

اور ان کے قریب پہنچ گیا۔ اگر میں چاہتا تو انہیں قتل کر سکتا تھا مگر یہ خیال کر کے ہٹ گیا کہ یہ گناہ اپنے سر کیوں لوں! میں نے دیکھا کہ دائیں بائیں ہر طرف سے حملے ہو رہے تھے لیکن وہ جس طرف مڑ جاتے تھے، دشمن کائی کی طرح پھٹ جاتا تھا۔ وہ اس وقت کرتہ پہنے اور عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ واللہ! میں نے کبھی کسی شکستہ دل کو جس کا گھرانہ خود اس کی آنکھوں کے سامنے یوں قتل ہو گیا ہو، ایسا شجاع ثابت قدم، مطمئن اور جری نہیں دیکھا۔ حالت یہ تھی کہ دائیں بائیں سے دشمن اس طرح بھاگ کھڑے ہوتے جس طرح شیر کو دیکھ کر بکریاں بھاگ جاتی ہیں۔ دیر تک یہی حالت رہی۔ اس اثناء میں آپ کی بہن حضرت زینب بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا خیمہ سے باہر نکلیں۔ ان کے کانوں میں بالیاں پڑی تھیں۔ وہ چِلّا رہی تھیں "کاش آسمان زمین پر ٹوٹ پڑے"۔ یہ وہ موقع تھا جب کہ عمر بن سعد حضرت امام حسین علیہ السلام کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا۔ زینبؓ نے بلند آواز سے پکار کر کہا۔ اے عمر! کیا ابو عبداللہ تمہاری آنکھوں کے سامنے قتل ہو جائیں گے؟ عمر نے اس طرف سے منہ پھیر لیا۔

(ابن جریر)

جنگ شدت سے جاری تھی کہ اس دوران آپ کو بہت پیاس لگی۔ آپ پانی پینے فرات کی طرف بڑھے مگر دشمن کو یہ کب گوارا تھا۔ اچانک سنسناتا ہوا ایک تیر آیا اور آپ کے حلق میں پیوست ہو گیا۔ آپ نے تیر کھینچ لیا۔ پھر اپنے ہاتھ منہ کی طرف اٹھائے تو دونوں چُلّو خون سے بھر گئے۔ آپ نے وہ خون آسمان کی طرف اچھال دیا اور فرمایا۔ اللہ! تیرا شکر ہے، الٰہی میرا شکوہ تو تجھی سے ہے۔ دیکھ تیرے رسولؐ کے نواسے سے کیا برتاؤ ہو رہا ہے!"

پھر آپؑ اپنے خیمہ کی طرف لوٹنے لگے تو شمر اور اس کے ساتھی درمیان میں حائل ہو گئے۔ امامِ عالی مقامؑ نے محسوس کیا کہ ان کی نیت خراب ہے اور خیمہ لوٹنا چاہتے ہیں۔ فرمایا ... "اگر تم میں دین نہیں اور تم روزِ آخرت سے ڈرتے نہیں تو کم از کم دنیاوی شرافت پر تو قائم رہو۔ میرے اہلِ بیت کے خیمے کو اپنے جاہلوں اور اوباشوں سے محفوظ رکھو۔ شمر نے جواب دیا۔ اچھا ایسا ہی کیا جائے گا اور آپ کا خیمہ محفوظ رہے گا۔ (ابن جریر)

اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ راوی کہتا ہے کہ دشمن اگر چاہتا تو آپ کو بہت پہلے شہید کر ڈالتا۔ مگر ہر کوئی اس گناہ کو اپنے سر لینے سے ہچکچا رہا تھا۔ آخر شمر ذی الجوشن نے کہا: تمہارا برا ہو، کیا انتظار کر رہے ہو؟ کیوں کام تمام نہیں کر چکتے؟ چنانچہ ہر طرف سے نرغہ میں ایک شدت پیدا ہو گئی۔ آپ نے پکار کر کہا:

> "تمہارا بُرا ہو۔ میرے قتل پر ایک دوسرے کو ابھارتے ہو! واللہ میرے بعد کسی بندے کے قتل پر بھی خدا اتنا ناخوش نہیں ہو گا، جتنا کہ میرے قتل پر۔ واللہ! وہ میرا بدلہ تم سے اس طرح لے گا جس کا تمہیں تصور بھی نہ ہو گا۔ یاد رکھو مجھے قتل کرنے کے بعد خود تمہارے درمیان کبھی اتفاق نہ ہو سکے گا۔"

مگر اب وقت آچکا تھا۔ زرعہ بن شریک تمیمی نے آپ کے ہاتھ کو زخمی کر دیا اور شانۂ اقدس پر تلوار ماری۔ آپ کمزوری سے لڑکھڑائے۔ لوگ ہیبت سے پیچھے ہٹ گئے مگر سنان ابن انس نے بڑھ کر نیزہ مارا اور آپ زمین پر گر پڑے۔ شمر نے خولی بن یزید سے کہا کہ ان کا سر کاٹ لو۔ وہ آگے بڑھا لیکن جرأت نہ ہو سکی۔ ہاتھ کانپ گئے۔

بد بخت سنان بن انس نے دانت پیس کر کہا: خدا تیرے ہاتھ شل کرے، دیکھتا کیا ہے؟ اور پھر خود جوش سے گھوڑے سے اترا۔ آپ کو ذبح کیا اور سر تن سے جدا کر کے دیوانوں کی طرح رقص کرنے لگا اور چلّانے لگا "مجھے سونے چاندی سے لاد دو۔ میں نے بڑا بادشاہ مارا ہے۔ میں نے اسے قتل کیا ہے جس کے ماں باپ سب سے افضل ہیں اور اپنے نسب میں سب سے برتر ہے۔" (ابن جریر)

دنیا کی دوستی اور دشمنی موت کے دروازے پر پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے لیکن اولادِ رسول ﷺ کے ساتھ یہ کیسی دشمنی تھی جو قتل کے بعد بھی ختم نہ ہو سکی۔

ظالموں نے شہزادۂ کونینؑ کے زخموں سے چھدے ہوئے جسمِ اقدس سے لباس تک نوچ لیا۔ اسحاق بن حیوہ حضرمی نے کرتہ اتار لیا۔ بحر بن کعب پاجامہ اتارنے میں مصروف ہو گیا۔ اخنس بن مرثد عمامہ لے دوڑا تو مالک بن بشیر نے ٹوپی اٹھالی۔ بنی دارم کے ایک شخص کے حصے میں تلوار آئی جب کہ قیس بن اشعث آپ کی بُردِ یمانی پر قابض ہو گیا۔

وہ جسمِ اطہر، جسے آج تک فرشتوں نے بھی بے حجاب دیکھنے کی جسارت نہ کی، برہنہ کر دیا گیا اور پھر اسے گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالا۔ اس دلدوز منظر کو دیکھ کر زمین و آسمان کانپ اٹھے۔ جنّ و مَلک اور شجر و حجر انسان کی اس محسن کُشی پر سر پیٹ کر رہ گئے۔ چشمِ عبرت نے دیکھا کہ سنان بن انس کی سنان پر آج وہ سر اچھالا جا رہا تھا جو کبھی رسولؐ اللہ کی گود کی زینت بنا کرتا تھا۔

اب سفاک انسانوں کا رخ اہلِ بیت کے خیموں کی جانب تھا۔ جہاں بیمار سجادؓ پڑا کراہ رہا تھا۔ ادھ جلے خیمے ابھی تک دھواں چھوڑ رہے تھے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر

خیموں میں لوٹ مچا دی۔ حرمتِ رسول ﷺ کی دھجیاں بکھیر ڈالیں۔ نبی ﷺ کی بیٹیوں کے سروں سے ردائیں اور کانوں سے بالیاں نوچ لیں۔ فاطمہؓ کی پردہ نشین بیٹیوں کے سر پر اب کوئی سائبان تھا نہ چادر۔ جلتے ہوئے خیموں سے اٹھنے والا دھواں عفیف شہزادیوں اور سہمے ہوئے معصوم بچوں کی آہ و بکا کو لے کر جب آسمان کی طرف اٹھا تو فضا تاریک ہو گئی۔ سورج نے اپنی تمازت روک لی۔ دھوپ کی سفیدی میں خونِ شہیداں کی سُرخی شامل ہو گئی۔ اہلِ بیت پر یہ وقت کس قدر سنگین تھا۔ زہرائے ثانی زینبؓ بن فاطمہؓ سے پوچھو جو خاندانِ رسالت کی بقیۃ السیف پونجی کی امین ہیں۔ کہیں فاطمہؓ بنت حسینؓ کو دشمنوں کی نظروں سے چھپاتی پھرتی ہیں تو کبھی سکینہؓ بنت حسینؓ کی فریاد پر تڑپتی اور لپکتی نظر آتی ہیں۔ معصوم عمرؓ بن الحسنؓ سہم کر پھوپھی کی ٹانگوں سے لپٹا ہوا ہے۔ زینب صغرا یعنی ام کلثومؓ اور رقیہؓ بنت علیؓ غم سے نڈھال تصویر حسرت و یاس بنی ایک طرف کھڑی ہیں۔ انہیں بیمار سجادؓ کی فکر دامنگیر ہے جس پر سفاک انسان دانت پیس رہے ہیں۔ یہی تو ایک نشانی ہے جس سے حسینؓ کی شاخ چلے گی۔ انہیں ڈر ہے کہیں یہ سہارا ابھی نہ چھن جائے۔ نیم سوختہ خیمہ سے باہر گنجِ شہیداں ہے جہاں خاندانِ بنو ہاشم اور خاندانِ رسالت کے تمام قتیلِ وفا خون میں نہا کر سوئے پڑے ہیں اور اندر بے مہر اور گستاخ نگاہیں اور بے مروت ہاتھ عفت مآب مسافر اہلِ بیت کے اثاثے لوٹ رہے ہیں اور گھور رہے ہیں۔ چشمِ فلک نے آج تک ایسا نظارہ کب دیکھا ہو گا؟ اس خونی منظر کو دیکھتے دیکھتے سورج کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ وہ روتے روتے تھک گیا تھا اور جلد از جلد مغرب کی آغوش میں چھپ جانا چاہتا تھا۔ دس محرم کی رات برہنہ لاشوں پر پردہ ڈالنے کے لیے تاریکی کی چادر لیے دوڑی آ رہی تھی۔ آج وہ سیاہ

ماتمی لباس پہن کر کربلا کے ان مظلوم مسافروں کے ساتھ شامِ غریباں منائے گی۔
دشتِ کرب وبلا کی یہ شام کتنی اداس تھی!
خولی بن یزید اور حمید بن مسلم حضرت امامِ عالی مقام کا سر لے کر ابنِ زیاد کی طرف روانہ ہو گئے۔

## حضرت زینبؓ مقتل میں!

دوسرے دن عمرو بن سعد نے میدانِ جنگ سے کوچ کیا اور اہلِ بیت کی خواتین اور بچوں کو ساتھ لے کر کوفہ روانہ ہوا۔ قرہ بن قیس جو عینی شاہد ہے روایت کرتا ہے کہ ان عورتوں نے جب حضرت حسینؓ اور ان کے لڑکوں اور عزیزوں کی لاشیں پامال ہوئی دیکھیں تو ضبط نہ کر سکیں اور آہ و فغاں اور نوحہ وفریاد کی صدائیں بلند ہو گئیں۔ میں گھوڑا دوڑا کر ان کے قریب پہنچا۔ میں نے کبھی اتنی حسین عورتیں نہ دیکھیں تھیں۔ مجھے زینبؓ بنت فاطمہؓ کا یہ بَین کسی طرح بھی نہیں بھولتا:

> "اے محمد! (ﷺ) تجھ پر آسمان کے فرشتوں کا درود اور سلام۔ یہ دیکھ تیرا حسینؓ! تیری گود میں سونے والا حسینؓ۔ تیرے کندھوں پر سواری کرنے والا حسینؓ۔ تیرے سینے پر لیٹنے والا حسینؓ ریگستان میں پڑا ہے۔ خاک و خون سے آلودہ ہے۔ بے گور و کفن ہے۔ تمام بدن ٹکڑے ٹکڑے ہے۔ تیری بیٹیاں قید ہیں۔ تیری اولاد مقتول ہے اور ہوا اُن پر خاک ڈال رہی ہے!"

راوی کہتا ہے کہ دوست دشمن کوئی نہ تھا جو اُن کے بَین سے رونے نہ لگا ہو۔

(ابن جریر)

پھر سب مقتولین کے سر کاٹے گئے جو کُل بہتّر ۷۲ تھے۔ شمر ذی الجوشن، ابن الاشعث، عمرو بن الحجاج، عزمرہ بن قیس وغیرہ یہ تمام سر لے کر ابنِ زیاد کے پاس پہنچے۔ حمید بن مسلم، جو خولی بن یزید کے ساتھ حضرت امامؓ عالی مقام کا سر لے کر ابنِ زیاد کے پاس آیا تھا، روایت کرتا ہے کہ حسینؓ کا سر ابنِ زیاد کے سامنے رکھا گیا تو اس وقت مجلس حاضرین سے بھری ہوئی تھی۔ ابنِ زیاد کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جو آپ کے لبوں پر مارنے لگا۔ جب اس نے بار بار یہی حرکت کی تو زید بن ارقمؓ (یا انس بن مالکؓ) چلا اٹھے : "اے ابنِ زیاد! اِن لبوں سے چھڑی ہٹالے۔ خدا کی قسم میری اِن آنکھوں نے دیکھا ہے کہ رسولؐ اللہ اپنے ہونٹ ان ہونٹوں پر رکھتے تھے اور ان کا بوسہ لیتے تھے۔"

یہ کہہ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ ابنِ زیاد خفا ہو کر بولا "خدا تیری آنکھوں کو رلائے، اگر تُو بوڑھا ہو کر سٹھیا نہ گیا ہوتا تو ابھی تیری گردن ماردیتا۔" زید بن ارقمؓ یہ کہتے ہوئے مجلس سے اٹھ گئے :

> "اے عرب! آج سے تم غلام ہو کہ تم نے ابنِ فاطمہؓ کو قتل کیا۔ ابنِ مرجانہ (ابن زیاد) کو اپنا حاکم تسلیم کیا۔ وہ تمہارے نیک انسان قتل کرتا اور تمہارے شریروں کو غلام بناتا ہے۔ تم نے ذلت پسند کرلی۔ خدا انہیں ہلاک کرے جو ذلت کو پسند کرتے ہیں۔"

اسی طرح کا ایک واقعہ خود یزید کی طرف بھی منسوب ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ جب آپ کا سرِ اقدس یزید کے سامنے رکھا گیا تو اس وقت اس کے ہاتھ میں چھڑی تھی۔ وہ حضرت امامِ عالی مقام علیہ السلام کے دانتوں پر چھڑی لگاتا تھا اور حصین بن

ہمام کے یہ اشعار پڑھتا تھا:

الی قومنا ان ینصفونا فانصفت
فوا ضب فی ایماننا تقطلوا الدما

یفلقن هاما من رجال اعزة
علینا و لهم کانوا اعق و اظلما

"یعنی ہماری قوم نے ہمارے ساتھ انصاف نہ کیا تو پھر ہماری خونچکاں تلواروں نے انصاف کیا جنہوں نے ایسے مردوں کے سر پھاڑ دیے جو ہم پر سخت تھے اور وہ تعلقات قطع کرنے والے ظالم تھے!"

ابو ہرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ مجلس میں موجود تھے۔ آپ نے یہ دیکھا تو فرمایا "اے یزید، تو اپنی چھڑی حسینؓ کے دانتوں پر لگاتا ہے اور خدا کی قسم! میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ وہ ان کو بوسہ دیا کرتے تھے۔ اے یزید! قیامت کے روز تو آئے گا تو تیری شفاعت ابنِ زیاد ہی کرے گا۔ جب کہ حسینؓ آئیں گے تو ان کی شفاعت کے لیے خود محمد مصطفیٰ ﷺ ہوں گے" یہ کہہ کر ابو ہرزہؓ مجلس سے روتے ہوئے نکل گئے۔ (ابن اثیر)

راوی کہتا ہے کہ جب اہلِ بیت کی خواتین اور بچوں کا یہ مقدس قافلہ ابنِ زیاد کے سامنے لایا گیا، تو حضرت زینبؓ نہایت ہی حقیر لباس پہنے ہوئے اس طرح بیٹھی تھیں کہ آپ کی کنیزوں نے آپ کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ ابنِ زیاد نے پوچھا۔ "یہ کون بیٹھی ہیں؟" کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے دوبارہ سہ بار پوچھا تو آپ کی ایک

کنیز بولی یہ رسول اللہ کی بیٹی فاطمہؓ کی بیٹی زینبؓ ہیں!" عبید اللہ نے آپ سے مخاطب ہو کر کہا:

"اس خدا کی ستائش ہے جس نے تم لوگوں کو رسوا اور ہلاک کیا اور تمہارے نام کو بٹہ لگایا۔"

حضرت زینب کڑک کر بولیں "شکر ہے اللہ کا جس نے ہمیں محمد مصطفیٰ ﷺ سے عزت بخشی اور پاک کیا۔ رسوا تو فاسق ہی ہوا کرتے ہیں اور فاجروں کے نام کو بٹہ لگتا ہے!"

ابنِ زیاد نے کہا "تو نے دیکھا خدا نے تیرے خاندان کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟"

حضرت زینبؓ بولیں "ان کے مقدر میں قتل کی موت لکھی تھی، اس لیے وہ مقتل میں پہنچ گئے۔ عنقریب خدا تجھے اور انہیں ایک جگہ جمع کر دے گا اور تم باہم اس کے حضور سوال و جواب کر لو گے!"

اس پر ابنِ زیاد غضبناک ہو اٹھا۔ اس کا غصہ دیکھ کر عمر بن حارث نے کہا "خدا امیر کو سنوارے، یہ تو ایک عورت ہے، عورتوں کی بات کا خیال نہ کرنا چاہیے!"

پھر کچھ دیر بعد ابنِ زیاد نے کہا "خدا نے تیرے سرکش سردار اور تیرے اہلِ بیت کے باغیوں کی طرف سے میرا دل ٹھنڈا کر دیا!"

اس پر حضرت زینبؓ اپنے تیئں سنبھال نہ سکیں اور بے اختیار رو پڑیں۔ انہوں نے کہا "واللہ! تو نے میرے سردار کو قتل کر ڈالا۔ میرا خاندان مٹا ڈالا۔ میری شاخیں کاٹ دیں۔ میری جڑ اکھاڑ دی۔ اگر اس سے تیرا دل ٹھنڈا ہو سکتا ہے، تو

ہو جائے!"

اس کے بعد ابنِ زیاد حضرت امام زین العابدین علیؓ کی طرف متوجہ ہوا۔ ان کا نام پوچھا۔ بتلایا علیؓ نام ہے۔ اس نے کہا "خدا نے علی کو قتل نہیں کر ڈالا؟" آپ نے فرمایا "وہ میرے بڑے بھائی تھے جو میدانِ کربلا میں شہید ہوئے۔ ان کا نام بھی علیؓ تھا"

ابنِ زیاد نے ان کو بھی قتل کرنے کا قصد کیا۔ حضرت امام نے فرمایا "میرے بعد ان مستورات کا کون کفیل ہوگا؟ اے ابنِ زیاد! اگر تُو ان عورتوں سے ذرا بھی رشتہ سمجھتا ہے تو میرے بعد کسی نیک انسان کو ان کے ساتھ بھیجنا جو اسلامی معاشرت کے اصول پر ان سے برتاؤ کرے!"

حضرت زینبؓ نے جب ابنِ زیاد کے تیور بدلے دیکھے تو امام زین العابدینؓ سے لپٹ گئیں اور کہنے لگیں "اے ابنِ زیاد! ابھی تک ہمارے خون سے تیری پیاس نہیں بجھی؟ میں تجھے اللہ کی قسم دیتی ہوں کہ اگر تو ان کو قتل کرنا چاہتا ہے تو مجھے بھی ان کے ساتھ قتل کر دے!"

ابن زیاد دیر تک حضرت زینبؓ کو دیکھتا رہا۔ پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ "خون کا تعلق بھی کیسی عجیب چیز ہے۔ واللہ! مجھے یقین ہے کہ یہ سچے دل سے لڑکے کے ساتھ قتل ہونا چاہتی ہے! اچھا چھوڑ دو اس لڑکے کو! یہ بھی اپنے خاندان کی عورتوں کے ساتھ جائے گا۔" (ابن جریر وغیرہ)

اس واقعہ کے بعد ابنِ زیاد نے جامع مسجد میں شہر والوں کو جمع کیا اور خطبہ دیتے ہوئے کہا:

"میں اس خدا کی تعریف کرتا ہوں جس نے حق ظاہر کیا۔ حق

والوں کو فتح یاب کیا۔ امیر المومنین یزید بن معاویہ اور ان کی جماعت غالب ہوئی اور (معاذ اللہ معاذ اللہ) کذاب ابن کذاب حسینؓ بن علیؓ کو اور اس کے ساتھیوں کو ہلاک کر ڈالا۔"

یہ سن کر حضرت عبداللہ بن عفیف ازدیؓ (جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مشہور صحابی ہیں اور جنگ جمل و صفین میں زخمی ہو کر اپنی دونوں آنکھیں کھو چکے تھے) کھڑے ہو گئے اور چلّائے:

"اے ابنِ مرجانہ! اللہ کی قسم، کذاب ابنِ کذاب تو تُو ہے نہ کہ حسینؓ ابنِ علیؓ!"

ابنِ زیاد نے یہ سنا تو انہیں فوراً وہیں قتل کر ڈالا۔

اس کے بعد حسین کا سرِ اقدس ایک بانس پر بلند کر کے کوفہ کے گلی کوچوں میں پھرایا گیا اور پھر اسی حالت میں زحر بن قیس کے ہاتھ یزید کے پاس دمشق روانہ کر دیا گیا۔ جب کہ اگلے دن اہلِ بیت کو بھی قیدیوں کی صورت دمشق روانہ کر دیا گیا۔ غاز بن ربیعہ کہتا ہے جس وقت زحر بن قیس پہنچا، میں یزید کی مجلس میں موجود تھا۔ یزید نے سوال کیا۔ "کیا خبر لائے ہو؟"۔

زحر بن قیس نے کہا "میں امیر المومنین کے لیے فتح کی خوشخبری لایا ہوں۔ حسینؓ ابنِ علیؓ اپنے اہلِ بیت اور ساٹھ حمائیوں کے ساتھ ہم تک پہنچے۔ ہم نے انہیں بڑھ کر روکا اور مطالبہ کیا کہ اپنے آپ کو ہمارے حوالہ کر دیں یا لڑیں۔ انہوں نے اطاعت پر لڑائی کو ترجیح دی۔ چنانچہ ہم نے طلوع آفتاب کے ساتھ ہی ان پر ہلہ بول دیا۔ جب تلواریں ان کے سروں پر پڑنے لگیں تو وہ اس طرح گڑھوں اور جھاڑیوں

میں چھپنے لگے، جس طرح کبوتر باز سے بھاگتے اور چھپتے ہیں! پھر ہم نے ان سب کا قلع قمع کر دیا۔ اس وقت ان کے لاشے برہنہ پڑے ہیں۔ ان کے کپڑے خون سے تر بہ تر ہیں۔ ان کے رخسار غبار سے میلے ہو رہے ہیں۔ ان کے جسم دھوپ کی شدت اور ہوا کی تیزی سے خشک ہو رہے ہیں۔ گدھوں اور چیلوں کی خوراک بن رہے ہیں۔"

اور پھر حضرت امام حسین علیہ السلام کا سر یزید کے سامنے پیش کر دیا۔ اہلِ مجلس پر ایک سناٹا طاری تھا۔ یزید بھی گم سم بیٹھا تھا۔ شاید مستقبل کے مؤرخ کے قلم کی خونفشانی نے اس پر سکوت طاری کر دیا تھا۔

حضرت امام حسینؓ کے سر کے بعد جب اہلِ بیت کے قیدی دمشق پہنچے تو یزید نے شام کے سرداروں کو مجلس میں بلایا۔ اہلِ بیت کو بھی بٹھایا اور امام زین العابدینؒ سے مخاطب ہوا۔ "اے علیؒ! تمہارے باپ ہی نے میرا رشتہ کاٹا۔ میرا حق بھلایا۔ میری حکومت چھیننا چاہی۔ اس پر خدا نے اس کے ساتھ جو کیا، تم دیکھ چکے ہو۔"

امام زین العابدینؒ نے جواب میں یہ آیت پڑھی!

ما اصاب من مصیبة فی الارض و لا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبراھا ان ذالک علی اللہ یسیر۔ لکیلا تاسوا علی مافاتکم و لا تفرحوا بما اتاکم و اللہ لا یحب کل مختال فخور ٥

(الحدید: ۲۳)

یعنی "جو کوئی مصیبت تمہیں پہنچتی ہے زمین میں یا تمہاری جانوں پر، سو وہ کتابِ تقدیر میں لکھی ہوئی ہے زمین کے پیدا کرنے سے قبل، اور یہ کام اللہ کے

لیے آسان ہے۔ اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ جو چیز تمہارے پاس سے جاتی رہے، اس پر زیادہ غم نہ کرو اور جو چیز مل جائے اس پر زیادہ خوش نہ رہو۔ اللہ تعالیٰ فخر کرنے والے متکبر انسانوں کو پسند نہیں کرتا۔"

یزید کو یہ جواب ناگوار گزرا لیکن خاموش رہا۔ پھر اس نے اپنے امراء سے پوچھا کہ ان لوگوں کے بارے میں کیا مشورہ دیتے ہو۔ بعض نے بد سلوکی کا مشورہ دیا مگر نعمان بن بشیر نے کہا "اے امیر! ان کے ساتھ وہی سلوک کیجئے جو رسولؐ اللہ انہیں اس حال میں دیکھ کر کرتے۔" چنانچہ یزید نے ان سب کو ایک علیحدہ مکان میں ٹھہرایا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب اہلِ بیت کو یزید کے سامنے لایا گیا، اس وقت حضرت امامِ عالی مقام علیہ السلام کا سرِ اقدس مجلس میں رکھا ہوا تھا۔ آپ کی دونوں صاحبزادیاں فاطمہؓ اور سکینہؓ پنجوں کے بل کھڑے ہو کر سر مبارک کو دیکھنے کی کوشش کر رہی تھیں اور یزید ان کے سامنے کھڑا ہو کر چاہتا تھا کہ وہ نہ دیکھیں۔ جب ان کی نظر اپنے والد ماجد کے کٹے ہوئے سر پر پڑی تو بے اختیار ان کی چیخیں نکل گئیں۔ ان کی آہ و بکا سے ایک کہرام برپا ہو گیا۔ یزید کی عورتیں بھی چلا اٹھیں اور محل ایک ماتم کدہ بن گیا اور کہتے ہیں اہلِ بیت کی عورتیں جب محل کے زنانخانے میں پہنچیں تو وہاں کوئی عورت ایسی نہ رہی جس نے آکر گریہ و ماتم نہ کیا ہو۔

بعض روایات میں ہے کہ یزید کو اس سانحہ پر تاسّف اور ملال ہوا تھا اور وہ اکثر مجلسوں میں اس کا اظہار بھی کرتا رہا اور ابنِ زیاد پر لعنت بھیجتا رہا مگر کیا یہ سب کچھ اس لیے نہیں تھا کہ اس اقدام سے یزید سارے عالمِ اسلام میں مبغوض ہو گیا تھا۔ اور اب

وہ کہیں منہ دکھانے کے قابل نہ رہا تھا۔ اسے صاف نظر آرہا تھا خونِ حسینؓ وہ خون نہیں جس کی سرخی کی رنگت اس کے دامن سے آسانی سے چھٹ جائے گی۔ خاندانِ رسالت کا خون اس سفاکی سے بہا کر وہ کس طرح اطمینان کا سانس لے سکتا تھا!

چند دن مہمان ٹھہرا کر نعمان بن بشیر کو حکم دیا کہ وہ اہلِ بیتِ اطہار کو مدینہ بھیجنے کے انتظامات کرے اور ان کے ساتھ اچھے آدمیوں کو روانہ کرے۔ چنانچہ اس نے اس کے لیے پوری احتیاط سے کام لیا۔

## اہلِ بیت کی مدینہ کو واپسی

مدینہ منورہ میں اِس حادثۂ عظیمہ کی اطلاع پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔ اجڑی ہوئی مانگوں اور لٹی ہوئی گودیوں والی زہراؓ کی بیٹیاں جب مدینہ پہنچیں تو ایک قیامت برپا ہو گئی۔ گھر گھر ماتم کدہ بن گیا۔ مدینہ کے در و دیوار حسرت ویاس میں ڈوب گئے۔ بنو ہاشم کی عورتیں سر پیٹ کر گھروں سے باہر نکل آئیں۔ ان کے نالوں سے مسجدِ نبوی ﷺ کی دیواریں ہل گئیں۔ حضرت عقیل بن ابی طالبؓ کی بیٹی، جس کا سارا خاندان، خاندانِ رسالت کے ساتھ میدانِ کربلا میں شہید ہو چکا تھا، گھر سے نکلیں تو ان کے نوحوں سے دشت و جبل لرز اٹھے۔ اجڑے ہوئے اِس مقدس قافلے کی پیشوائی کے لیے وہ سب سے آگے آگے چل رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں :

"کیا کہو گے جب نبیؐ تم سے سوال کریں گے کہ اے وہ، جو سب سے آخری امت ہو، تم نے میری اولاد اور میرے خاندان سے میرے بعد کیا سلوک کیا؟ کہ ان میں سے بعض قیدی بنائے گئے

اور بعض خون میں نہلائے پڑے ہیں!
کون سی آنکھ تھی جو اشکبار نہ تھی۔ کون سا دل تھا جو فگار نہ تھا۔ کون سا چہرہ تھا، جو سوگوار نہ تھا۔ عام مؤرخین بالخصوص ابن اثیر نے لکھا ہے کہ شہزادہ کونین حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد دو تین مہینے تک فضا کی یہ کیفیت رہی کہ آفتاب طلوع تو ہوتا، مگر اس کی جو دھوپ در و دیوار پر پڑتی اتنی سرخ ہوتی تھی، جیسے کہ دیواروں کو خون سے لیپ دیا گیا ہے۔
ابو نعیم نے ام المومنین حضرت اُمِّ سلمہؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت امام حسینؓ کے قتل پر میں نے جِنّات کو روتے دیکھا ہے!"

## قاتلانِ حسینؓ کا انجام کیا ہوا

امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ قتلِ حسینؓ میں شریک تھے، ان میں سے ایک بھی نہیں بچا، جس کو آخرت سے پہلے دنیا ہی میں سزا نہ ملی ہو۔ کوئی قتل کیا گیا۔ کسی کا چہرہ مسخ ہو گیا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ان کے اعمال کی اصلی سزا نہیں بلکہ اس کا ایک نمونہ ہے جو درسِ عبرت کے طور پر دنیا کے ظاہر پرستوں کو دکھایا گیا۔ ذیل میں چند واقعات لکھے جاتے ہیں:

۱۔ شہادتِ حسینؓ کے بعد یزید کو ایک لمحہ چین نصیب نہ ہو سکا۔ اس کا خیال تھا کہ حضرت امامؓ اس کی سلطنت کے استحکام کے لیے خطرہ ہیں۔ ان کو راہ

سے ہٹانے کے بعد اقتدار اس کے گھر کی لونڈی بن جائے گی۔ لیکن قتلِ حسینؓ اسے بہت مہنگا پڑا کہ صرف تین سال کی مدت میں ہی وہ ذلیل و خوار ہو کر مر گیا اور سلطنت اس کے گھر سے جاتی رہی۔ یزید ذلت کی علامت بن کر رہ گیا۔ جب کہ حسینؓ عزو شرف کا نشان ہیں۔

۲۔ ابن جوزیؒ لکھتے ہیں کہ جس شخص نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک کو اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکایا تھا، اس کے بعد دیکھا گیا کہ اس کا منہ تار کول کی مانند سیاہ ہو گیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ تم عرب بھر میں خوش رُو آدمی تھے، تمہیں کیا ہوا؟ کہنے لگا: جس روز سے میں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کا سر اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکایا، جب ذرا سوتا ہوں دو آدمی آتے ہیں میرے بازو پکڑتے ہیں اور مجھے کھینچتے ہوئے ایک دہکتی ہوئی آگ پر لے جاتے ہیں اور اس میں دھکیل دیتے ہیں جو مجھے جھلس دیتی ہے اور پھر وہ اسی حالت میں مر گیا۔

۳۔ نیز ابن جوزی نے لکھا ہے کہ انہوں نے ایک شخص کی دعوت کی۔ اس مجلس میں شہادتِ حسینؓ کا ذکر چل نکلا کہ حسینؓ کے قتل میں جو بھی شریک ہوا اس کو دنیا میں بھی جلد ہی سزا مل گئی۔ اس شخص نے کہا بالکل غلط ہے۔ مَیں خود اُن کے قتل میں شریک تھا، میرا کچھ بھی نہیں بگڑا۔ یہ شخص مجلس سے اٹھ کر گھر گیا۔ جاتے ہی چراغ کی بتی درست کرتے ہوئے اس کے کپڑوں میں آگ لگ گئی اور وہ وہیں جل کر مر گیا۔ سدی جو اس واقعے کے راوی ہیں کہتے ہیں کہ اس کے مرنے کی اطلاع پر میں نے خود صبح دیکھا کہ وہ کوئلہ ہو

چکا تھا۔

۴۔ سبط ابن جوزی نے روایت کیا ہے کہ ایک بوڑھا آدمی حضرت امام حسین علیہ السلام کے قتل میں شریک تھا۔ وہ دفعتاً بغیر کسی عارضے کے اندھا ہو گیا۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آستیں چڑھائے ہوئے ہیں۔ ہاتھ میں تلوار ہے اور آپ کے سامنے چمڑے کا وہ فرش ہے جس پر کسی کو قتل کیا جاتا ہے۔ اور میں نے دیکھا کہ اس پر قاتلانِ حسینؓ میں سے دس آدمیوں کی لاشیں ذبح کی ہوئی پڑی ہیں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ڈانٹا اور خونِ حسینؓ کی ایک سلائی میری آنکھوں میں لگادی۔ میں صبح اٹھا تو میری بینائی ختم ہو چکی تھی۔

۵۔ جس شخص نے حضرت امام علیہ السلام کے تیر مارا تھا، اور پانی نہیں پینے دیا، اس پر اللہ تعالی نے ایسی پیاس مسلط کر دی جو کسی طرح بجھتی ہی نہ تھی۔ پانی کتنا ہی پی جائے، پیاس سے تڑپتا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ پیٹ پھٹ گیا اور وہ مر گیا۔

۶۔ قاتلانِ حسینؓ پر طرح طرح کی آفاتِ ارضی وسماوی کا ایک سلسلہ شروع تو تھا ہی کہ اللہ تعالی نے ان پر ایک منظم عذابِ الٰہی مسلط کر دیا۔ واقعۂ کربلا سے پانچ ہی سال بعد ۶۶ھ میں مختار ثقفی نامی ایک شخص نے خون حسینؓ کے قصاص کا آوازہ بلند کیا۔ جو دیکھتے ہی دیکھتے ایک تحریک کی صورت اختیار کر گیا۔ مسلمانوں نے پورے جوش وخروش سے اس کی تائید کی۔ اور تھوڑے ہی عرصے میں اس کو اس قدر قوت حاصل ہو گئی کہ کوفہ اور عراق اس کے

تسلط میں آگئے۔ اس نے اعلانِ عام کر دیا کہ قاتلانِ حسینؑ کے سوا سب کو امن دیا جاتا ہے اور قاتلانِ حسینؓ کی تفتیش و تلاش پر پوری قوت صرف کر دی اور ایک ایک کو گرفتار کر کے قتل کر ڈالا۔ ایک ہی دن میں دو سواڑ تالیس آدمی اس جرم میں قتل کیے گئے کہ وہ قتلِ حسینؓ کے جرم میں شریک تھے۔ اس کے بعد خاص لوگوں کی تلاش اور گرفتاری شروع ہو گئی۔

۷۔ عمرو بن سعد، جو حضرت امام حسین علیہ اسلام کے مقابلہ پر یزیدی لشکر کی کمان کر رہا تھا، قتل کر دیا گیا۔ اس کا سر کاٹ کر جب مختار ثقفی کے سامنے پیش کیا گیا، تو مختار نے یہ اہتمام کر رکھا تھا کہ عمرو بن سعد کے بیٹے حفص کو پہلے سے دربار میں بیٹھا رکھا تھا۔ جب یہ سر مجلس میں آیا تو مختار نے حفص سے کہا تو جانتا ہے یہ سر کس کا ہے؟ اس نے کہا "ہاں! اور اس کے بعد مجھے اپنی زندگی پسند نہیں۔" چنانچہ اس کو بھی قتل کر دیا گیا۔ اور مختار نے کہا عمرو بن سعد کا قتل تو حسینؓ کے بدلہ میں ہے اور حفص کا قتل علیؓ بن حسینؓ کے بدلہ میں، اور حقیقت یہ ہے کہ پھر بھی برابری نہیں ہوئی۔ اللہ کی قسم! اگر میں تین چوتھائی قریش کو بدلہ میں قتل کر دوں تو حضرت امام حسین علیہ السلام کی ایک انگلی کا بھی بدلہ نہیں ہو سکتا۔

۸۔ ابنِ زیاد کو سخت اذیتیں دے کر قتل کیا گیا اور اُس کا سر اسی طرح اسی مقام پر مختار کے سامنے رکھا گیا، جس طرح جس مقام پر امامؑ عالی مقام کا سر ابنِ زیاد کے سامنے رکھا گیا تھا اور اسی طرح چھڑی سے اس کے ہونٹوں پر ضربیں لگائی گئیں۔

۹۔ شمر ذی الجوشن جو قتلِ حسینؑ کے بارے میں سب سے زیادہ سرگرم شقی اور سخت تھا، پکڑ کر قتل کیا گیا اور اس کی لاش کتوں کے سامنے ڈال دی گئی۔

۱۰۔ عمر بن الحجاج، جو حضرت امام علیہ السلام کا سر لے کر ابنِ زیاد کے پاس پیش کرنے والوں میں سے ایک تھا، پیاس کی حالت میں بھگایا گیا۔ گرمی اور پیاس کی وجہ سے جب وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا تو اس کو ذبح کر دیا گیا۔

۱۱۔ مالک بن بشیر، جس نے شہادت کے بعد حضرت امامؑ کی ٹوپی لوٹ لی تھی، اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر کاٹ ڈالے اور پھر میدان میں ڈال دیا۔ چنانچہ وہ اسی طرح تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

۱۲۔ حکیم بن طفیل جس نے حضرت امام عالی مقامؑ کو تیر مارا تھا، زندہ گرفتار کیا گیا اور پھر اس کو ہدف بنا کر اتنے تیر برسائے گئے کہ وہ چھلنی ہو گیا اور اسی میں ہلاک ہوا۔

۱۳۔ عبداللہ بن اسید جہنی، مالک بن بشیر بدی، حمل بن مالک کا محاصرہ کیا گیا۔ انہوں نے رحم کی درخواست کی۔ مختار نے کہا ظالمو! تم نے سبطِ رسول اللہؐ پر رحم نہ کیا، تم پر کیسے رحم کیا جائے؟ اور سب کو قتل کر دیا!

۱۴۔ زید بن رفاد نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے بھتیجے مسلم بن عقیلؑ کے صاحبزادے عبداللہؓ کے تیر مارا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے اپنی پیشانی چھپائی۔ اسے بھی اسی جگہ تیر مارا گیا۔ تیر ہاتھ کو چھیدتا ہوا یوں پیشانی میں پیوست ہو گیا کہ ہاتھ پیشانی کے ساتھ بندھ گیا۔ اس کو گرفتار کر کے پہلے اس پر پتھر برسائے گئے۔ پھر تیروں کی بارش کی گئی اور ابھی زندہ تھا کہ آگ میں جلا

دیا گیا۔

۱۵۔ عثمان بن خالد اور بشر بن شمیط نے مسلم بن عقیلؓ کے قتل میں اعانت کی تھی، ان کو قتل کر کے جلادیا گیا۔

۱۶۔ سنان بن انس جس نے سر اقدس کاٹنے کا اقدام کیا تھا، کوفہ سے بھاگ گیا اور پھر اس کا پتہ نہ چل سکا۔ اس کا گھر منہدم کر دیا گیا۔

۱۷۔ بنی دارم کے جس شخص نے شہادت کے بعد حضرت امام علیہ السلام کی تلوار اٹھائی تھی، کوڑھ میں مبتلا ہو گیا اور اسی حالت میں مرا۔

فاعتبرو ایا اولی الابصار۔

كذالک العذاب و لعذاب الاخرة اكبر لوكانوا يعلمون ط

(عذاب ایسا ہی ہوتا ہے اور آخرت کا عذاب تو اس سے (بھی) بڑا ہے۔ کاش وہ سمجھ لیتے۔)

## شہادت کے بارے میں رویاءِ صادقہ

بیہقی نے بسند روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک رات حضور اقدس ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ دوپہر کا وقت ہے اور آپ پراگندہ بال پریشان حال ہیں۔ آپ کے ہاتھ میں ایک شیشی ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اس میں کیا ہے؟ فرمایا۔ "حسینؓ کا خون ہے۔ میں اسے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کروں گا۔"

حضرت ابن عباسؓ نے اسی وقت لوگوں کو خبر دے دی تھی کہ حسینؓ شہید ہو

گئے۔ اس خواب کو ابھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ آپؓ کی شہادت کی خبر پہنچ گئی اور حساب کیا گیا تو ٹھیک وہی دن اور وہی وقت آپ کی شہادت کا تھا۔

ترمذی نے سلمیٰ سے روایت کیا ہے کہ وہ ایک روز ام المومنین حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں۔ میں نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا: میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو خواب میں اس حالت میں دیکھا ہے کہ آپ کے سر مبارک اور ریش مبارک پر گرد پڑی ہوئی ہے۔ میں نے پوچھا کہ یارسول اللہ (ﷺ) یہ کیا حال ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں ابھی ابھی حسینؓ کے قتل پر موجود تھا! (تاریخ الخلفاء / سیوطیؒ)

داستانِ کرب وبلا ختم ہو گئی لیکن تاریخ کو ایسے عنوان دے گئی جو کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ عزم و عزیمت، صبر و ثبات، ایثار و مروت، استقلال و جانسپاری، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی زندہ تفسیریں، استبداد شکنی کی جرأت آموز تعبیریں اسوۂ شبیریؓ کے وہ انمٹ نقوش ہیں جن سے اہلِ حق کے ہر قافلے نے ہر دور میں روشنی حاصل کی ہے۔ حادثۂ کربلا کوئی وقتی یا شخصی واقعہ نہ تھا بلکہ یہ ایک مسلسل تاریخی عمل کا نتیجہ تھا اور تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ یہ رسم لبد لاآباد سے جاری ہے۔ دنیا کو آباد کرنے کے لیے خاندانِ نبوت کی ہمیشہ سے سنت رہی ہے کہ وہ خود اجڑا کرتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مسلسل بادیہ پیمائی اس کا واضح ثبوت ہے۔ چنانچہ اس تاریخی عمل کا تقاضا تھا کہ خانوادۂ امام الانبیاؑ اس ناتمام باب کی تکمیل کرے۔

حسین علیہ السلام نے دشتِ کربلا میں جس طرح اس قدیمی سنت کو نبھایا اور

اس ناتمام باب کی تکمیل کی، کوئی دَور اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ چودہ صدیاں گزریں، آج بھی کربلا کے خون آشام ذرات کو نچوڑا جائے تو خونِ شہادت کے مقدس قطرے ٹپک پڑیں۔ امامِ عالی مقامؓ نے اپنے خون سے جادۂ حق کی راہیں روشن کر کے آنے والی نسلوں پر احسانِ عظیم کیا ہے۔ حسینؓ عالمِ انسانیت کا محسن ہے۔ حسینؓ زندگی کی تفسیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صدیاں گزرنے کے باوجود حسینؓ زندہ ہے۔ حسینؓ اِس لیے زندہ ہے کہ حسینؓ محض ایک شخصیت ہی نہ تھے، ایک اصول تھے، ایک تحریک تھے، ایک تاریخ تھے، ایک پیغام تھے۔

ہزاروں لاکھوں درود و سلام اُس فرزندِ رسولؐ پر جو اسلام کا پشتبان ہے۔ ہزاروں لاکھوں درود و سلام اُن عظیم انسانوں پر جنہوں نے دشتِ کرب وبلا میں حقِ رفاقت ادا کرتے ہوئے جانیں قربان کر دیں! (آمین)

یا حی یا قیوم

الحمد للحی القیوم

فالله خیر الرازقین

و الله ذو الفضل العظیم

# شہدائے کربلا معلے

## مجاہدینِ اہلِ بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین
## جو کربلا میں شہید ہوئے

۱۔ حضرت امام عالی مقام سید شباب اہل الجنتہ سید الشہداء
حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

۲۔ حضرت سیدنا عبداللہ بن عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
(حضرت علیؓ کے حقیقی بھتیجے تھے)

۳۔ حضرت سیدنا عبدالرحمٰن بن عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
(عم زادہ حضرت امام علیہ اسلام)

۴۔ حضرت سیدنا جعفر بن عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
(عم زادہ حضرت امام علیہ السلام)

۵۔ حضرت سیدنا محمد بن سعد بن عقیل رضی اللہ عنہ
(برادرزادہ حضرت امام علیہ اسلام)

۶۔ حضرت سیدنا عبداللہ بن مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ
(برادرزادہ حضرت امام علیہ السلام)

۷۔ حضرت سیدنا محمد بن عبداللہ بن جعفر طیار بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

۸۔ حضرت سیدنا عون بن عبداللہ بن جعفر طیار بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
(خواہرزادہ حضرت امام علیہ السلام)

۹۔ حضرت سیدنا ابوبکر بن حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
(برادرزادہ حقیقی حضرت امام علیہ السلام)

۱۰۔ حضرت سیدنا عمرو بن حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
(برادرزادہ حقیقی حضرت امام علیہ السلام)

۱۱۔ حضرت سیدنا عبداللہ بن حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
(برادرزادہ حقیقی حضرت امام علیہ السلام)

۱۲۔ حضرت سیدنا قاسم بن حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
(برادرزادہ حقیقی حضرت امام علیہ السلام)

۱۳۔ حضرت سیدنا محمد بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

۱۴۔ حضرت سیدنا عثمان بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

۱۵۔ حضرت سیدنا عبداللہ بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

۱۶۔ حضرت سیدنا جعفر بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

۱۷۔ حضرت سیدنا عباس بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
(نمبر ۱۳ تا ۱۷ علاتی ☆برادران حضرت امام علیہ السلام)

☆ ماں سے سوتیلا، باپ سے سگا۔

۱۸۔ حضرت سیدنا علی اکبر بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
(صاحبزادہ امام عالی مقام علیہ السلام عمر ۱۸ برس)

۱۹۔ حضرت سیدنا علی اصغر بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
(صاحبزادہ امام عالی مقام علیہ السلام)

۲۰۔ حضرت فیروز مولیٰ حضرت امام حسین علیہ السلام رضی اللہ عنہ

۲۱۔ حضرت سعد بن حارث مولیٰ حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ
(رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

# جان نثارانِ اہلِ بیت .....جو میدانِ کربلا میں شہید ہوئے!

۱۔ حضرت زہیر بن حسان محمدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۔ حضرت سعد بن حنظلہ تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳۔ حضرت بریر بن خضیر ہمدانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴۔ حضرت وہب بن عبداللہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۵۔ حضرت عمرو بن خالد صیدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۶۔ حضرت حلاس بن عمر مکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۷۔ حضرت عبداللہ بن عمیر کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۸۔ حضرت عمیر بن عبداللہ مذجی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۹۔ حضرت حماد بن انس محمدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۰۔ حضرت وقاس بن مالک احمدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۱۔ حضرت شریح بن عبید مکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۲۔ حضرت مسلم بن عوسجہ اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۳۔ حضرت نافع بن ہلال جملی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۴۔ حضرت قرۃ بن ابی قرۃ غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۵۔ حضرت قیس بن منبع مدنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۶۔ حضرت بشر بن عمرو حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۷۔ حضرت ہاشم بن عتبہ مکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۸۔ حضرت نعیم بن عجلان انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۹۔ حضرت زہیر بن القین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۰۔ حضرت انس بن حارث اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۱۔ حضرت حبیب بن مظاہر اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۲۔ حضرت قیس بن ربیع انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۳۔ حضرت عبداللہ بن عروۃ بن صراق غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۴۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عروہ بن صراق غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۵۔ حضرت جون بن جوی بن قتادہ مولی ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۶۔ حضرت شبیب بن عبداللہ نہشلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۷۔ حضرت قاسط بن زہیر بن حارث تغلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۸۔ حضرت کردوس بن زہیر تغلبی رضی اللہ عنہ

۲۹۔ حضرت کنانہ بن عتیق تغلبی رضی اللہ عنہ

۳۰۔ حضرت ضرغامہ بن مالک تغلبی رضی اللہ عنہ

۳۱۔ حضرت عمرو بن ضبیعہ ضبعی رضی اللہ عنہ

۳۲۔ حضرت یزید بن ثبیط العبدی رضی اللہ عنہ

۳۳۔ حضرت جوین بن مالک بن قیس تیمی رضی اللہ عنہ

۳۴۔ حضرت عبداللہ بن مشبت قیسی رضی اللہ عنہ

۳۵۔ حضرت عامر بن مسلم عبدی رضی اللہ عنہ

۳۶۔ حضرت عبداللہ بن مشبت قیسی رضی اللہ عنہ
۳۷۔ حضرت قعنب بن عمرو نمری رضی اللہ عنہ
۳۸۔ حضرت سالم غلامِ آزاد عامر بن مسلم رضی اللہ عنہ
۳۹۔ حضرت سیف بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ
۴۰۔ حضرت زہیر بن بشر خثعمی رضی اللہ عنہ
۴۱۔ حضرت یزید بن معقل جعفی رضی اللہ عنہ
۴۲۔ حضرت حجاج بن مسروق مؤذن لشکرِ اسلام رضی اللہ عنہ
۴۳۔ حضرت مسعود بن حجاج تیمی رضی اللہ عنہ
۴۴۔ حضرت مجمع بن سہم بن عبداللہ عائذی رضی اللہ عنہ
۴۵۔ حضرت عمار بن حسان طائی رضی اللہ عنہ
۴۶۔ حضرت جنادۃ بن حارث سلمانی اسدی رضی اللہ عنہ
۴۷۔ حضرت جندب بن حجیر بن کندی رضی اللہ عنہ
۴۸۔ حضرت یزید بن زیاد مظاہر کندی رضی اللہ عنہ
۴۹۔ حضرت طاہر غلام آزاد دین الحق خزاعی رضی اللہ عنہ
۵۰۔ حضرت جبلہ بن علی شیبانی رضی اللہ عنہ
۵۱۔ حضرت مسلم بن کثیر اعرج ازدی رضی اللہ عنہ
۵۲۔ حضرت زہیر بن سلیم بن عمرو ازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۵۳۔ حضرت قاسم بن حبیب بن ابی بشیر ازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۵۴۔ حضرت عمرو بن جندب حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵۵۔ حضرت ابو ثمامۃ صائدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵۶۔ حضرت سلیم غلام آزاد حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵۷۔ حضرت قارب بن عبداللہ غلام آزاد حضرت امام حسینؓ

۵۸۔ حضرت عروۃ غلام آزاد حربن یزید بن ریاح رضی اللہ عنہ

۵۹۔ حضرت مصعب برادر حر ریاحی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۶۰۔ حضرت علی بن حربن یزید ریاحی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۶۱۔ حضرت حربن یزید ریاحی تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۶۲۔ حضرت سعید بن عبداللہ حنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۶۳۔ حضرت شوذب بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۶۴۔ حضرت سیف بن حارث بن سریع ہمدانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۶۵۔ حضرت مالک بن عبد بن سریع رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۶۶۔ حضرت محمد بن مطاع انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۶۷۔ حضرت مقداد انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۶۸۔ حضرت عمرو بن عبداللہ صائدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۶۹۔ حضرت حنظلہ بن اسعد شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۷۰۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عبداللہ ارجی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۷۱۔ حضرت عمار بن ابی سلامۃ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۷۲۔ حضرت عابس بن ابی شبیب شاکری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(واللہ اعلم بالصواب)

سبحان
ربی ذی الفضل
العظیم

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ

وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اٰمین

◎

امروز سعید و مسعود و مبارک ۱۱ رجب المرجب ۱۴۲۰ھ

◎

فیضانِ فیض

حضرت ابوانیس محمّد برکت علی لودھیانوی

قدس سرہ العزیز

صلی اللہ علیہ وسلم علیہ السلام کرم اللہ وجہہٗ رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ

دربارِ مصطفویّہ خضریّہ علویّہ سعیدیّہ اویسیّہ ہجویریّہ قادریّہ

رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ

صابریّہ قلندریّہ مجدّدیّہ غفوریّہ رحیمیّہ کریمیّہ امیریّہ برکتیّہ

المقام النّجاف الصّحاف المقبول المصطفین اٰمین ◎ کیمپ دارالاحسان سمندری روڈ فیصل آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ یا حی یا قیوم اللّٰھم صل وسلم وبارک علیٰ سیدنا ومولانا وحبیبنا محمد
النبی الامی وعلیٰ آلہ واصحابہ وعترتہ بعدد کل معلوم لک وبعدد خلقک ورضیٰ نفسک وزنۃ عرشک ومداد کلماتک استغفر اللہ الذی لا الٰہ الا ھو
الحی القیوم واتوب الیہ یا حی یا قیوم

# قُلْ

# عشقُ محمدٍ صلی اللہ علیہ وسلم

# مَذْہَبِیْ وَحُبُّہٗ مِلَّتِیْ

# وَطَاعَتُہٗ مَنْزِلِیْ!

---

(یہ کہ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق میرا
مذہب، محبت میری ملت اور اتباع میری منزل ہے

حضرت شیخ ابو انیس محمد برکت علی لودھیانوی
قدس سرہ العزیز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ یا حی یا قیوم اللّٰھم صل وسلم وبارک علیٰ سیدنا ومولانا وحبیبنا محمد النبی الامی وعلیٰ آلہ واصحابہ وعترتہ بعدد کل معلوم لک وبعدد خلقک ورضیٰ نفسک وزنۃ عرشک ومداد کلماتک استغفر اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ یا حی یا قیوم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

# اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ
# وَّاٰلِهٖ وَعِتْرَتِهٖ بِعَدَدِ كُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّكَ
# اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِىْ
# لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَىُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ

◎

یہ درُود شریف اور استغفار حضرت خواجۂ خواجگان سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ کا عمل اور اس سلسلۂ عالیہ کا موروثہ درُود شریف ہے

**دارُ الاحسان** کا ہر عقیدت مند اور طالب اس کی مداومت کو اپنے اوپر لازم قرار دے، حسبِ قوت اور گنجائشِ وقت اس کے پڑھنے کی تعداد خود ہی مقرر کرلیں۔ مثلاً ہر نماز کے بعد کم از کم گیارہ ۱۱ بار ضرور پڑھیں۔ عشاء کی نماز کے بعد یا تہجد و فجر کے بعد کثرت سے پڑھیں مثلاً ایک سو ۱۰۰ بار، یا تین سو ۳۰۰ بار، یا پانسو ۵۰۰ بار یا اس سے بھی زیادہ بار۔ صرف ایک بات یاد رکھیں کہ جو تعداد ایک بار مقرر کریں، اُس پر مداومت رکھیں!

فرمان تاجدارِ دارالاحسان ؒ

حضرت شیخ ابوانیس **محمد برکت علی** لودھیانوی
قدس سرہ العزیز

نثار آرٹ پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاہور